قرآن کریم اور سنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۸ شمارہ: ۱

محرم الحرام: ۱۴۴۶ھ - اگست: ۲۰۲۴ء

قیمت فی شمارہ: ۶۰ روپے، زرِسالانہ: ۷۰۰ روپے

مُدیر/مُدیرمسئول

مولانا سیّد سُلیمان یوسف بنوری

نائب مُدیر

مولانا سیّد احمد یوسف بنوری

مُدیرمُعاون

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

خط وکتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465

فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

یورپی اور امریکی ممالک، وغیرہ: 40 امریکی ڈالر

عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 35 امریکی ڈالر

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 7-397-0101900 برانچ کوڈ: 00816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

وضاحت

ماہنامہ ''بینات'' میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس: 34919531-21-92 +

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری **مطبع:** شفق پرنٹنگ پریس **طابع:** حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

بصائر وعبر

قادیانیوں کو آئین اور قانون کا پابند بنایا جائے!	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات ومضامین

مکاتیب حضرت مولانا احمد رضا بجنوریؒ بنام حضرت بنوریؒ	۷	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
سُنَّت کی برکتیں	۱۰	حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ
دلائلِ شرعیہ اور چند اہم دینی اصطلاحات... تعارف (قسط:۱)	۲۱	افادات: مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا علمی مقام!	۲۷	مولانا غلام اکبر لاشاری
رسالہ ''ناسخ القرآن و منسوخه'' کا تعارف	۳۱	مولانا عمر مشتاق
پڑوسی کے حقوق (ارشاداتِ نبویہ کی روشنی میں)	۴۰	مفتی ابوالخیر عارف محمود
سرزمینِ فلسطین ... قرآن وحدیث کی روشنی میں (قسط:۱)	۴۶	مولانا محمد ارشد خان

دار الافتاء

جنت میں میاں بیوی کے تعلق کی کیا نوعیت ہوگی؟ نیز کیا جنت اور اُس کی نعمتیں صرف مردوں کے لیے ہیں؟	۵۵	ادارہ

نقد ونظر

ذِکرُ المرسلین ترجمہ ''قصص النبیینؑ'' (تین جلدیں)	۶۰	ادارہ
مرغوبُ المسائل (چھ جلدیں) ... سلامتی کا راستہ		

قادیانیوں کو آئین اور قانون کا پابند بنایا جائے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

ایک تجزیہ کار، کہنہ مشق صحافی اور قادیانیوں کے غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے پر اپنے ڈائجسٹ اور رسالے کا خصوصی نمبر شائع کرنے والے جناب مجیب الرحمٰن شامی صاحب نے دنیا نیوز کے پروگرام ’’نقطۂ نظر‘‘ میں ۲۴؍جون ۲۰۲۴ء کو قادیانیوں کی فرضی مظلومیت کا پرچار کرتے ہوئے چند ایسی نامناسب باتیں کی ہیں، جو پاکستانی دستور اور قانون کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاق، تہذیب، متانت اور سنجیدگی سے کوسوں دور تھیں۔ یہ باتیں سن کر یقین نہیں آتا کہ یہ سب باتیں کسی ایسے شخص کی ہیں جس کا ماضی قادیانیت کی آگاہی سے جڑا چلا آرہا ہے، بلکہ یوں لگا کہ یہ باتیں شاید کسی ایسے عامی آدمی کی ہیں جو قادیانیت سے بہت زیادہ متأثر یا ان کے دامِ فریب کا اسیر ہے۔ آپ بھی یہ باتیں پڑھیں اور فیصلہ کریں کہ کیا کوئی مسلمان؛ اسلام کے بنیادی عقائد کو جاننے والا، پاکستانی آئین اور قانون سے واقف آدمی یہ گفتگو کرسکتا ہے؟!

شامی صاحب نے کہا: ’’ایک اقلیت تو ایسی ہے کہ ہم اس کا نام ہی نہیں لے سکتے جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں اور ہم انہیں قادیانی کہتے ہیں۔ اُن کی زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔ آپ کو قربانی نہیں کرنے دیں گے، آپ کو نماز نہیں پڑھنے دیں گے، آپ کے بکرے جو ہیں ہم اُٹھا کے لے جائیں گے، آپ نے ۵۰ ہزار کا خریدا ہے، ہم اسے ۲۵ ہزار کا واپس لے لیں گے۔ یہ کیا تماشا ہے؟ اور آپ کو عبادت گاہ نہیں بنانے دیں گے۔ او بھائی! آپ بیٹھیں۔ ہمارے حافظ نعیم الرحمٰن صاحب، حضرت مفتی فضل الرحمٰن صاحب اور منیب الرحمٰن صاحب

اور تقی عثمانی صاحب! یہ بیٹھیں۔ خدا خوفی کریں۔ ان کی بھی حدود و قیود طے کر دیں، اس طرح نہ کریں کہ یہ پاکستان کو ہندوستان بنادیں۔ ہندو یاتروں والے یہاں دندناتے پھریں اور آپ چین سے بیٹھے رہیں۔ ہر شخص جو پاکستان کا شہری ہے خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، کسی نسل سے تعلق رکھتا ہو، کسی علاقے کا رہنے والا ہو، اس کی جان، اس کے مال، اس کی آبرو کی حفاظت حکومتِ پاکستان کی اور ریاستِ پاکستان کی اوّلین ذمہ داری ہے۔ یہ جو قادیانی حضرات ہیں ان کے ساتھ بھی بیٹھیں، ان کی باتیں سنیں، ان کو آپ نے دستوری طور پر ایک اقلیت قرار دیا ہے، اور غیر مسلم قرار دیا ہے، ان کی بات سنیں ان کے اپنے شہری حقوق ہیں، ان کا احترام کریں۔ تو اس لیے اب وقت آ گیا ہے کہ ہم یہ خوف کی چادر جو ہے اس کو اُتار پھینکیں اور جو بات حقیقت ہے اس کو بیان کریں اور اس سے نہ ڈریں، نہ ہجوم سے ڈریں اور نہ بے لگام مذہبی رہنماؤں سے ڈریں۔''

اس بیان کے آنے کے بعد کئی علمائے کرام نے اس پر ردِّ عمل دیا اور ایک وفد نے باقاعدہ جا کر شامی صاحب سے ملاقات کر کے اپنے تحفظات کا اظہار کیا، اس پر انہوں نے کچھ ملے جلے انداز اور مبہم الفاظ سے وضاحت کی، اس پر حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب دامت برکاتہم نے تفصیل سے مضمون لکھا اور وہ مضمون انھوں نے شامی صاحب کو بھجوایا، جس کے بعد انہوں نے درج ذیل وضاحت اور بیان دیا ہے:

''قادیانیوں کے بارہ میں اپنی پچھلی گفتگو میں ہم نے کہا تھا کہ ان کے حقوق متعین ہونے چاہئیں تو کئی علمائے کرام نے مجھ سے رابطہ کیا، جب میں نے انہیں وضاحت دی تو سب نے اطمینان کا اظہار کیا۔ جناب مولانا اللہ وسایا صاحب نے ایک مضمون لکھ کر بھیجا ہے، تاکہ میں اس سے استفادہ کر سکوں۔ علمائے کرام کا کہنا ہے کہ قادیانی پہلے خود کو غیر مسلم مانیں، ۱۹۸۴ کے امتناعِ قادیانیت آرڈی نینس، جو بہت مضبوط قانون ہے، کے مطابق اپنے معاملات چلائیں، شعائرِ اسلام استعمال نہ کریں، مسلمانوں کے ساتھ خود کو شامل نہ کریں، ہندو، سکھ، عیسائی، وغیرہ غیر مسلموں کی طرح اپنا الگ تشخص قائم کریں تو ہمارا اُن سے کوئی جھگڑا نہیں ہے، لیکن اگر یہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر آئیں گے تو بدامنی ہوگی۔ یہی موقف قانون دان حضرات نے بھی واضح کیا، تو میں ان علمائے کرام، اُمتِ مسلمہ کے عوام اور جمہور کے ساتھ ہوں اور میرا ابھی یہی موقف ہے۔''

شامی صاحب نے اگرچہ اپنے پہلے والے موقف سے رجوع کیا ہے اور اپنے کو علماء کے ساتھ کھڑا ہونے کا کہا ہے، لیکن ہم اتنا عرض کریں گے کہ شامی صاحب! آپ کی مذکورہ بالا پہلی گفتگو بہت ہی اشتعال انگیز، توہین آمیز اور عامیانہ طرزِ تخاطب لیے ہوئے تھی، جس کے تدارک کے لیے آپ کی یہ وضاحت ناکافی محسوس ہوتی ہے، خصوصاً اتنے نامور علمائے کرام کو تضحیک آمیز الفاظ اور انداز سے مخاطب بنانا، ان کو خدا خوفی کا درس دینا، اور یہ کہنا کہ: ''ایک اقلیت جس کا نام نہیں لے سکتے۔''، ''ان کی زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔''، ''۵۰ ہزار کا بکرا ۲۵ ہزار میں ان سے لے جانا۔''، ''اب وقت آ گیا ہے کہ ہم خوف کی چادر اُتار پھینکیں۔''، ''جو

بات حقیقت ہے اس کو بیان کریں اور اس سے نہ ڈریں، نہ ہجوم سے ڈریں، اور نہ بے لگام مذہبی راہنماؤں سے ڈریں۔'' آپ خود ہی غور فرمائیں کہ کیا آپ کی اس وضاحت سے ان تمام باتوں کا اِزالہ اور تلافی ہوگئی ہے؟

اس کے ساتھ ساتھ محسوس یوں ہوتا ہے کہ محترم موصوف اتنا غصہ میں ہیں کہ انہیں پتا ہی نہیں چلا کہ جو بات میں خود کہہ رہا ہوں، اسی کی تردید بھی کر رہا ہوں۔ پہلے کہا کہ ہم ان کا نام نہیں لے سکتے، حالانکہ نیشنل ٹی وی پر خود ان کا نام بھی لے رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر نام نہیں لے سکتے تو آپ نے کیسے لیا؟ اور جب آپ نے خود نام لے لیا تو آپ کی اپنی بات کی تردید ہوگئی اور اس طرزِ بیان سے یہ بدگمانی جنم لیتی ہے کہ یہ جملہ قادیانیوں ہی کا دیا ہوا ہے، جسے میڈیا میں دہرایا گیا ہے۔ شامی صاحب بھی خوب جانتے ہیں کہ قادیانی اپنے کو مسلمان اور مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں، حالانکہ دنیا کے تمام مذاہب والے مسلمانوں کو مسلمان ہی کہتے ہیں، یہ صرف قادیانی ہی ہیں جو حضور اکرم ﷺ کے ماننے والے مسلمانوں کو کافر اور مرزا قادیانی کے ماننے والے کافروں کو مسلمان کہتے ہیں۔ اسی طرح یہ جملہ: ''ان کی زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔'' بھی قادیانیوں نے اپنی جھوٹی مظلومیت کا پرچار کرنے کے لیے گھڑا ہوا ہے، جس کو نیشنل میڈیا پر دہرایا جارہا ہے، جب کہ حالات، واقعات اور مشاہدات اس کی نفی کر رہے ہیں، بلکہ اب تک کا تجربہ شاہد ہے کہ اس قسم کے بیانات وتأثرات صرف بیرونِ ملک سے تعاون اور مراعات لینے کا ایک بہانہ اور پاکستان کو بدنام کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

آپ کا یہ کہنا کہ ''قربانی نہیں کرنے دیں گے، نماز نہیں پڑھنے دیں گے۔'' محترم! آپ بھی جانتے ہیں کہ قربانی، نماز، مسجد؛ یہ سب شعائر اللہ میں آتے ہیں، اور اس کا استعمال قادیانیوں کے لیے ممنوع ہے، جسے آپ نے بھی اپنے وضاحتی بیان میں کہہ دیا ہے۔ سپریم کورٹ کے بقول: ''قادیانیت نام ہی دھوکے کا ہے۔''

کلمہ، نماز، روزہ، حج، قربانی، قرآن، حدیث، اہلِ بیت اطہار، صحابہ کرام، ازواجِ مطہرات، اُم المومنین، ہر ایک عنوان سے قادیانی جب دھوکا دیتے ہیں تو مسلمانوں کی ان دھوکا بازوں کی دھوکا بازی پر چیخ و پکار اور دہائی دینا اور حکومت وانتظامیہ کو کہنا کہ ان کو قانون کا پابند بنائیں اور سادہ لوح مسلمانوں کو ان کے دھوکے سے بچائیں، تو اس پر کہنا کہ: ''مسلمانوں نے ان کی زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔'' کتنا بڑا ظلم اور ناانصافی ہے! بلکہ ہر عقل منداور باشعور انسان اُلٹا یہ کہے گا کہ قادیانیوں نے ہی مسلمانوں کی زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔ باقی یہ کہنا کہ ''بکرے اُٹھا کر لے جائیں گے۔'' یہ محض قادیانیوں کا غلط پروپیگنڈہ، سازش اور شرارت ہے یا جناب شامی صاحب کی سخن سازی ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

یہ کہنا کہ: ''آپ کو عبادت گاہیں نہیں بنانے دیں گے۔'' جواباً عرض ہے کہ محترم! مسلمانوں کی مساجد اور اُن کی ہیئت وطرز پر قادیانیوں کو اپنی عبادت گاہیں بنانے کی یہ پابندی قانون نے لگائی ہے، آئین نے لگائی ہے، تو آپ یہ الزام علماء اور مسلمانوں پر نہ لگائیں۔ پاکستان کے آئین اور قانون میں جس طرح تمام اقلیتوں کو

اپنی عبادت گاہیں بنانے کی اجازت ہے، اسی طرح قادیانیوں کو بھی اجازت ہے، لیکن اگر قادیانی اپنے کفر کو اسلام اور اسلام کو کفر کہیں، اپنی عبادت گاہ کو مسجد کی ہیئت وطرز پر بنائیں اور اس کو مسجد کا نام دیں تو انھیں ایسا نہیں کرنے دیا جائے گا، کیونکہ یہ اسلامی شعائر، پاکستان کے قانون اور سپریم کورٹ کے فیصلوں کے منافی ہے۔

یہ کہنا کہ: ’’ان کی حدود وقیود طے کریں۔‘‘ جواب یہ ہے کہ قادیانیوں کی حدود وقیود تو پاکستان کی قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر طے کردی ہیں۔ ان حدود وقیود کا قادیانیوں کو پابند رکھنے کے لیے ہی امتناعِ قادیانیت آرڈیننس ۲۶/ اپریل ۱۹۸۴ء جاری کیا گیا، جس کی رو سے قادیانی تمام شعائرِ اسلام استعمال نہیں کرسکتے۔ قانون نے ایک بار جب یہ بات طے کردی ہے کہ وہ غیرمسلم ہیں اور اسلامی شعائر استعمال نہیں کرسکتے تو اب قادیانی خود کو ان حدود وقیود کا پابند بنائیں، آئین وقانون کو تسلیم کریں۔ مسلمانوں اور قادیانیوں کا موقف سن کر ہی عدالتوں نے فیصلہ دیا ہے۔ ان پر عمل کرنا ایک وفادار اور محبِّ وطن شہری کا فرض ہے۔ قادیانی آج ہی اپنے کو غیرمسلم اقلیت رجسٹرڈ کرائیں اور دوسری اقلیتوں کی طرح اپنے حقوق حاصل کریں تو ان سے کوئی جھگڑا نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ایک فضا بنانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ قادیانیوں کو کسی نہ کسی طرح کوئی ریلیف دلایا جائے، بلکہ ان کا جو غیرمسلم والا اسٹیٹس ہے، اس کو یا تو بالکلیہ ختم کیا جائے یا اس طرح کردیا جائے کہ اس کے ہونے کے باوجود نہ ہونے کے برابر ہوجائے، جیسا کہ آج سے مہینوں پہلے ایک آواز لگائی گئی کہ قادیانیت کے بارہ میں قانون میں ابہام ہے۔ قادیانیوں کے متعلق سپریم کورٹ جانا چاہیے۔ سپریم کورٹ سے ایک کیس کا متنازع فیصلہ آنا، اس کی نظرِ ثانی کی سماعت کا مکمل ہوجانا اور فیصلے میں تاخیر کا ہونا، ایم کیو ایم کے ایک سینیٹر جناب سبزواری صاحب کا سینیٹ میں قادیانی موقف کی ترجمانی کرنا، سندھ حکومت کا قادیانیوں کے متعلق آئی جی کو حکم کرنا، امریکا کا قادیانیوں کی حمایت میں بولنا، وفاقی وزارتِ داخلہ کا مبینہ طور پر عقیدۂ ختمِ نبوت کی خدمات سرانجام دینے والوں کی فہرستیں تیار کرانے کا حکم جاری کرنا، غامدی ذریت کا قادیانی حمایت میں ہلکان ہونا، اور جناب شامی صاحب کا دنیا نیوز چینل پر قادیانی موقف کی وکالت کرنا اور کونوں کھدروں سے قادیانیوں کی بے جا حمایت اور فرضی مظلومیت کی جعلی کہانیوں کی بھرمار، یہ سب کچھ بلاوجہ نہیں!

جناب مجیب الرحمٰن شامی صاحب ہوں یا کوئی بھی باشعور یا بے شعور مسلمان، اسے قادیانیت کی حمایت وہمدردی سے زیادہ اپنی آخرت اور رسول اللہ ﷺ کے لیے فکرمند ہونا چاہیے۔ اسی طرح ہم قادیانیوں سے بھی کہیں گے کہ وہ پاکستانی آئین اور قانون کا اپنے آپ کو پابند بنائیں، اپنے آپ کو اقلیت تسلیم کریں، خود بھی قانون شکنی سے بچیں اور پاکستان کو بھی خوشحالی کے راستے پر چلنے دیں۔ اِس میں سب کا بھلا ہے۔

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوریؒ

مکاتیب حضرت مولانا احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ

بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۹۶۵/۶/۲۲ء

۲۳ صفر سنہ ۱۳۸۵ھ

باسمہٖ تعالیٰ

مکرم ومخلصم والامناقب، جناب مستطاب مولانا محمد یوسف صاحب بنوری دامت فیوضکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بہت عرصہ کے بعد کرم نامہ سے نوازا، بڑی مسرت ہوئی، جزاکم اللہ تعالیٰ وزادکم بسطة في العلم والجسم!

میں برابر مولانا طاسین صاحب کے ذریعہ آپ کی خدمت میں تحیاتِ مسنونہ وگزارشات پیش کرتا رہا، اس لیے آپ کا یہ کہنا کہ تم نے بھی یاد نہیں کیا، محتاجِ نظرِ ثانی ہے، اور میرا شکوہ بجا کہ آپ نے ایک سال سے زیادہ فراموش رکھا، البتہ یہ بات آپ کی مجھے پوری طرح تسلیم ہے کہ آپ کی قلبی یاد سے میں فراموش نہ ہوا ہوں گا، وکفٰی به سرورًا و بهجةً، ولكم جزيلُ الشكر والمنّة!

''انوار الباری'' پر تبصرہ لکھنے کے ارادہ سے بھی خوشی ہوئی، اور بے تکلف عرض ہے کہ یہ میرا آپ پر حق ہے، حقِ صداقت ومودّتِ قدیم، اور میں بھی غافل نہیں ہوں، جگہ جگہ ''انوار الباری'' میں آپ کے معارف وحقائق کا ذکر کررہا ہوں، اور یہ مہم ترقی پذیر ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ!

بھائی! آپ اپنے گوناگوں مشاغل اور سقوطِ صحت کی باتیں لکھ کر مجھے اور زیادہ افسردہ وملول کرتے

ہیں، میں تو آپ کی ’’معارف السنن‘‘، بینات اور جامعہ کے حالات، نیز آپ کے کثیر مشاغل وخدمات سے نہایت پراُمید ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مزید ہمت وقوت عطا کرے، اور میں آ کر ان سب کو بچشمِ خود بھی دیکھوں۔ ارادہ تھا کہ بین الاقوامی پاسپورٹ بنواؤں، لیکن اس کی وجہ سے وقت ضائع ہوا، اب اس میں مشکلات دیکھ کر پاک کا معمولی پاسپورٹ بنوانے کا ارادہ کیا ہے، تاکہ آپ حضرات سے مل سکوں، دعا کریں کہ احسن احوال میں جلد ملاقات ہو۔

ماشاء اللہ! آپ کی روحانی فتوحات بھی نہایت خوب وقابلِ رشک ہیں، آپ نے ... مقابلہ کر کے ایسی توجہ ڈالی تھی کہ اپنے میدان ہی سے دور کر دیا کہ نہ یہ قریب ہوگا، نہ مقابلہ کرے گا، سب باتیں اور رفاقت کے واقعات اکثر یاد آتے ہیں، کیا خوب دن تھے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی وجہ سے ہم ایک محاذ پر جمع ہو گئے، اور خدا قلوب کو ہمیشہ جمع رکھے، اگرچہ آپ نے تو ماشاء اللہ بہت سی گراں قدر خدمات سنبھالی ہیں، اور یہ نابکار ایک چھوٹی سی خدمت پر لگا ہے۔

تنقیدی سلسلہ میں اور دوسرے مشورے پڑھے، نہایت ممنون ہوں کہ بے تکلف اپنی رائے لکھی، اور مستفید کیا، ... تحقیقِ مباحث کے ضمن میں دوسروں پر مستقل نقد کا باب کھلا ہوا ہے اور کھلا رکھنا ہے، اگر اپنوں کی اغلاط کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے تو وہ بات بالکل غیر موزوں اور بے اثر ہوگی، اس لیے کچھ نمونے اس کے بھی لکھ دیئے ہیں۔ آٹھویں قسط (چھٹی جلد) بھی مکمل ہو کر طباعت کے لیے جا رہی ہے، ان سب کا مطالعہ فرما کر پھر آپ مجموعی طور سے ایک رائے قائم کر کے مجھے لکھیے گا، تاکہ پھر میں اگلی جلدوں میں زیادہ رعایت کر سکوں۔ مجھے آپ کے مشوروں کی بڑی قدر ہے، اور ان کے لیے نہایت ممنون ہوں، مگر یہ چاہتا ہوں کہ آپ ان سب جلدوں کا مطالعہ کر کے پھر رائے قائم کریں۔ کیا حافظ ابن تیمیہؒ کی ’’منهاج السنة‘‘ مل جاتی ہے؟ کیا قیمت ہے؟ آپ اگر بھجوا سکیں تو بڑا کرم ہو، قیمت میرے حساب سے وصول کر لیں۔ ’’فتاویٰ ابن تیمیہ‘‘ کا نسخہ بھی میرے پاس مستعار ہے، اگر اپنا ہو تو اچھا ہے۔ دعا اور کارِ لائق سے یاد کریں۔ اعزہ ومتعلقین واحباب کو سلامِ مسنون!

احقر

احمد رضا عفا اللہ عنہ

از بجنور

۴/ مارچ سنہ ۱۹۷۵ء

باسمہٖ تعالٰی جلّ ذکرُہٗ

مکرم ومحترم حضرت مولانا دام فضلُکم و معالیکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اُمید (ہے) کہ مزاجِ گرامی بعافیت ہوگا، الحمد للہ بعافیت صبح ۶-۱ / ۲ (ساڑھے چھ) بجے دہلی اور تیسرے روز بجنور پہنچا۔ کچھ احباب اور بچے دہلی ایئر پورٹ پر منتظر تھے، اس لیے حسبِ پروگرام واپسی ٹھیک ہی رہی، اگرچہ آپ کا یہ خیال بھی صحیح ہوا کہ سامان تیسرے روز پہنچے گا، چنانچہ دو روز دہلی میں قیام کرنا پڑا، تب سامان آیا اور وصول ہوا۔

آپ کی دل داری، حوصلہ افزائی اور نہایت ہی محبت و اخلاص کا ممنون ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو تا دیر سلامت با کرامت رکھے، ملاقات سے دل سیر نہیں ہوا، اور بہت سی باتیں بھی رہ گئیں، خدا کرے پھر جلد موقع ہو۔

اُمید ہے آپ نے الحاج موسیٰ بن ڈھانیہ وغیرہ کو خطوط میں ''انوار الباری'' کے لیے توجہ دلا دی ہوگی، اور سیما صاحب نے بھی بہت سعی و رفاقت کی ہے، ان کو اور مولانا گارڈی کو بھی مناسب طور سے کچھ لکھ دیجیے گا۔

محترم مولانا عزیز احمد صاحب، مولانا محمد ادریس صاحب، اور خاص طور سے حضرت والد صاحب قبلہ دام ظلّہم العالی کی خدمت میں سلامِ مسنون! اور درخواستِ دعا پہنچا دیں۔ عزیز عالی قدر مولوی سید محمد بنوری سلمہم اللہ تعالیٰ کو سلامِ مسنون اور بہت بہت دعائیں! ان سے مل کر بہت طبیعت خوش ہوئی، ماشاء اللہ ''الولد سرٌّ لأبیہ'' کی جھلکیاں دیکھیں۔

''مدرسہ عربیہ'' (حال جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی) دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا، واقعی! یہ آپ کا عظیم کارنامہ اور مثالی یادگار ہے، جو ظاہری و باطنی خوبیوں کا گہوارہ ہے، اللہ تعالیٰ مزید ترقیات سے نوازے، اور آپ کی اس خدمتِ عظیمہ کو حسنِ قبول بخشے۔

''انوار الباری'' کی باقی تالیف کا سلسلہ یکم اپریل سے شروع کروں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ! دو رفیق بھی میسر ہوگئے ہیں، آپ کے علمی افادات، مفید مشوروں اور اور کامیابی کی دعا کا محتاج ہوں، ''اُمید آں کہ گوشۂ چشمے بما کنند'' (اُمید ہے کہ کنارۂ آبرو سے مجھ پر نگاہ رکھیں گے) گھر سے سب بڑے چھوٹے آپ کو سلام لکھواتے ہیں۔

والسلام ختام

احقر احمد رضا عفا اللہ عنہ

پس نوشت: عزیز ظاہر حسن سلّمہ آئیں اور یاد رہے تو سلام کہہ دیں۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

سُنَّت کی برکتیں

حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

''سنّت'' کے معنی طریقہ وعادت کے ہیں اور ہم جب سنّت کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد ہوتا ہے ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ زندگی''۔ امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

''وسُنّة النبي صلی اللہ علیہ وسلم طريقته التي كان يتحرّاها.'' (مفردات، ص: ۲۴۵)

ترجمہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے مراد ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طریقہ جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قصداً اختیار فرمایا کرتے تھے۔''

سنت کا یہ مفہوم بڑا وسیع اور جامع ہے اور پورا دین اور دین کے تمام شعبے اس کے اندر آجاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کن عقائد کی تعلیم فرمائی؟ عبادات کیسے ادا فرمائی تھیں؟ معاملات ومعاشرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کیا تھا؟ سیاست وجہانبانی، صلح وجنگ اور فصلِ خصومات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا انداز تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار وگفتار، نشست وبرخاست کیسی ہوتی تھی؟ کیسی شکل وشباہت اور لباس وپوشاک کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسند یا ناپسند فرماتے تھے؟ الغرض عقائد ہوں یا عبادات، اخلاق ہوں یا معاملات، معاشرت ہو یا سیاست، زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ پا ثبت نہ ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اُمت کی رہنمائی نہ فرمائی ہو۔

سُنّت کی عظمت واہمیت

ہر مسلمان کو شاہراہِ حیات پر سفر کرتے ہوئے قدم قدم پر یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے دلائل بے شمار ہیں، مگر میں یہاں صرف تین وجوہ کے ذکر پر اکتفا کروں گا:

اول: یہ کہ ہم آنحضرت ﷺ کے اُمتی ہیں۔ کلمہ طیبہ ’’لا إلٰہ إلا اللہ محمد رسول اللہ‘‘ پڑھ کر ہم آپ ﷺ کی رسالت ونبوت پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے یہ عہد باندھا کہ ہم آپ ﷺ کے ہر حکم اور ہر ارشاد کی تعمیل کریں گے۔ اس معاہدۂ ایمانی کا تقاضا یہ ہے کہ ہماری تمام زندگی کا کوئی قدم منشائے نبوی ﷺ کے خلاف نہ اُٹھے اور ہماری تمام خواہشات سنتِ نبوی ﷺ کے تابع ہوں، کیونکہ اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی۔ آنحضرت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

’’لا یؤمن أحدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ.‘‘ (مشکوٰۃ،ص:۳۰)

ترجمہ: ’’تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ اس کی خواہش اُس دین کے تابع ہوجائے، جسے میں لے کر آیا ہوں۔‘‘

پس آنحضرت ﷺ کے منصبِ رسالت ونبوت اور ہمارے اُمتی ہونے کا تقاضا ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے طریقۂ زندگی کو پورے طور پر اپنائیں اور کسی دوسرے طریقۂ زندگی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

’’وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ۔‘‘ (النساء:۶۴)

ترجمہ: ’’اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا، صرف اسی لیے بھیجا کہ بحکمِ خداوندی اس کی فرمانبرداری کی جائے۔‘‘

آپ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کے طریقۂ زندگی سے انحراف، ایک لحاظ سے گویا آپ ﷺ کی رسالت ونبوت کا انکار کردینے کے ہم معنی ہے۔ صحیح بخاری میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

’’کل أمتي یدخلون الجنۃ إلا من أبیٰ، قیل ومن أبیٰ؟ قال من أطاعني دخل الجنۃ، ومن عصاني فقد أبیٰ.‘‘ (مشکوٰۃ،ص:۲۷)

ترجمہ: ’’میری اُمت کے سارے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، سوائے اس کے جس نے انکار کردیا، عرض کیا گیا: انکار کس نے کیا؟ فرمایا: جس نے میرا حکم مانا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے حکم عدولی کی، اس نے انکار کردیا۔‘‘

دوسری وجہ: یہ کہ آنحضرت ﷺ سے ہمارا تعلق محض قانون اور ضابطے کا نہیں، کیونکہ آپ ﷺ ہمارے محبوب بھی ہیں اور محبوب بھی ایسے کہ حسینانِ عالم میں کوئی بھی محبوبیت میں آپ ﷺ کی ہمسری نہیں کرسکتا، چنانچہ ارشاد ہے:

’’لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیہ من والدہٖ وولدہٖ والناس أجمعین.‘‘

(متفق علیہ، مشکوٰۃ، ص:۱۲)

ترجمہ: ’’تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اس کی اولاد اور سارے انسانوں سے زیادہ محبوب ہوجاؤں۔‘‘

اور محبت کا خاصہ یہ ہے کہ وہ محب کو اپنے محبوب کا ہم رنگ بنادیتی ہے۔ کسی عاشق دل دادہ سے پوچھئے کہ اس کے نزدیک محبوب کی اداؤں کی کیا قدر وقیمت ہے اور وہ چال ڈھال اور رفتار وگفتار میں اپنے محبوب سے ہم رنگی ومشابہت کی کتنی کوشش کرتا ہے؟ آنحضرت ﷺ جب جانِ جہاں اور محبوبِ محبوبانِ عالم ہیں تو آپ ﷺ کے ایک سچے عاشق کو آپ ﷺ کی اداؤں پر کس قدر مرمٹنا چاہیے؟ ایک عارف فرماتے ہیں:

پس جو لوگ آپ ﷺ کی سنت سے انحراف کرکے یہود ونصاریٰ کی سنت کو اپناتے ہیں، ان کا دعوائے محبت بے روح ہے:

تعصي الرسول وأنت تزعم حبهٗ
هٰذا لعمري في الزمان بديع
لو كنت صادقا في حبه لأطعتهٗ
فإن المحب لمن يحب يطيع

ترجمہ: ’’تم رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی بھی کرتے ہو اور آپ ﷺ سے محبت کے بھی دعویدار ہو۔ بخدا! یہ بات تو زمانے کے عجائبات میں سے ہے۔ اگر تم آپ ﷺ کی محبت میں سچے ہوتے تو آپ ﷺ کی بات مانتے، کیونکہ عاشق تو اپنے محبوب کا فرمانبردار ہوتا ہے۔‘‘

تیسری وجہ: یہ کہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں اور قیامت تک کے لیے دنیا وآخرت کی کامیابی وکامرانی اور انسانیت کی فلاح وسعادت آپ ﷺ کے قدموں سے وابستہ کردی گئی ہے۔ اگر اس دنیا میں سعادت وکامیابی کے ایک سے زیادہ راستے ہوتے تو ہمیں اختیار ہوتا کہ جس راستے کو چاہیں اختیار کرلیں، لیکن یہاں ایسا نہیں، بلکہ ہدایت وسعادت، صلاح وفلاح اور کامیابی وکامرانی کا بس ایک ہی راستہ کھلا ہے اور وہ حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کا راستہ ہے، اس راستہ کے علاوہ باقی تمام راستے بند کردیئے گئے ہیں:

مپندار سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز بر پئے مصطفیؐ

حضرت عمرؓ کا مشہور قصہ ہے کہ وہ ایک بار یہودیوں کے بیت المدراس تشریف لے گئے اور وہاں سے تورات کے چند اوراق اٹھالائے اور انہیں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پڑھنا شروع کیا۔ آنحضرت ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ بدلنے لگا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے توجہ دلانے پر انہوں نے آنحضرت ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ

دیکھا تو اوراق لپیٹ کر رکھ دیئے، اور یہ کہنا شروع کیا:

’’أعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسولہ، رضیت باللہ ربا، وبالإسلام دینا وبمحمد نبیا.‘‘

ترجمہ: ’’میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اللہ کے غضب سے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے غضب سے، میں اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان کر، اسلام کو اپنا دین مان کر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی مان کر راضی ہوا۔‘‘

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’والذي نفس محمد بیدہٖ لو بدا لکم موسٰی فاتبعتموہ وترکتموني لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیاً وأدرك نبوتي لاتبعني.‘‘ (مشکوٰۃ،ص:۲۲۲)

ترجمہ: ’’اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، اگر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) تمہارے سامنے آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر اُن کی پیروی کرنے لگو تو سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے اور اگر وہ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو وہ خود میری پیروی کرتے۔‘‘

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

’’أمتھوّکون أنتم کما تھوّکت الیھود والنصاریٰ؟ لقد جئتکم ببیضاء نقیۃ ولو کان موسٰی حیا ما وسعہ إلا اتباعي.‘‘ (مشکوٰۃ،ص:۳۰)

ترجمہ: ’’کیا تم اسی طرح بھٹکا کرو گے جس طرح یہود ونصاریٰ بھٹک رہے ہیں؟! بخدا! میں تمہارے پاس روشن اور صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں اور اگر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو اُن کو بھی میری پیروی کے سوا چارہ نہ ہوتا۔‘‘

تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اپنے دور میں ہدایت وسعادت کے سرچشمے تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد یہ تمام سرچشمے بند کردیئے گئے اور ان پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وطریقہ کے بجائے ان حضرات کی شریعت وطریقہ پر عمل کرنا بھی ضلالت وگمراہی قرار پائی۔ اس واقعہ سے ہمیں تین عظیم الشان سبق ملتے ہیں:

ایک: یہ کہ جب انبیاء گزشتہ کی پیروی بھی ہمارے لیے موجبِ فلاح وسعادت نہیں، بلکہ گمراہی وضلالت ہے تو ان کی بھٹکی ہوئی قوموں کے نقشِ قدم پر چلنا فلاح وسعادت کا موجب کیونکر ہوسکتا ہے؟ اسی سے اندازہ کیجئے کہ آج کے مسلمان جو سنتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر عمل پیرا ہونے کے بجائے یہود ونصاریٰ کی نقالی میں فخر

محسوس کرتے ہیں، وہ فلاح وسعادت سے کس قدر محروم ہیں اور ان کی ضلالت وگمراہی کس قدر لائقِ صد ماتم ہے۔

آج اُمتِ مسلمہ در بدر کی ٹھوکریں کھا رہی ہے، اس کا راز یہی ہے کہ اس نے اپنا قبلہ تبدیل کرلیا۔ وہ نبیِ رحمت ﷺ کے دامنِ رحمت سے کٹ کر وابستۂ اغیار ہوگئی ہے۔ وہ آنحضرت ﷺ کے مقدس طریقۂ زندگی کو چھوڑ کر گمراہ ومغضوب قوموں کے اختراع کردہ نظامہائے زندگی کی تاریکیوں میں بھٹک رہی ہے۔ اس نے آفتابِ مدینہ سے منہ موڑ کر مغرب کی ظلمتوں سے روشنی کی دریوزہ گری شروع کردی ہے۔ انہوں نے اپنے آئینِ سیاست اور اپنے آدابِ معاشرت، اپنی شکل وصورت اور اپنی عقل وخرد کو یہود ونصاریٰ کے سانچے میں ڈھال لیا ہے۔ آج کسی مسلمان کی شکل وصورت، اس کے رہن سہن، اس کی نشست وبرخاست، اس کے اندازِ گفتگو اور اس کے مظاہرِ زندگی کو دیکھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ یہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا اُمتی ہے یا کسی یہودی وعیسائی اور کسی خدا بیزار قوم کا فرد ہے۔ اپنے نبیِ رحمت ﷺ سے ایسی بے وفائی واحسان فراموشی کا نتیجہ ہے کہ انفرادی طور پر ہر شخص کا ذہنی سکون غارت ہوچکا ہے اور اجتماعی طور پر ذلت وخواری ان کا مقدر بن چکی ہے:

خرما نتواں یافت ازیں خار کہ کشتیم
دیبا نتواں بافت ازیں پشم کہ رشتیم

دوسرا سبق: ہمیں اس سے یہ ملتا ہے کہ: جب آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کے بعد حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتیں بھی منسوخ ہوگئیں، تو آپ ﷺ کے کسی نقال اور کسی جھوٹے مدعی نبوت کی پیروی کی گنجائش کب رہ جاتی ہے؟ اور اگر دورۂ محمدی ﷺ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی بھی گمراہی وضلالت ہے تو کسی مسیلمۂ پنجاب اور اسودِ قادیان کی پیروی کے جہالت وحماقت ہونے میں کیا شبہ رہ سکتا ہے؟

تیسرا سبق: ہمیں یہ ملتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے بعد انبیاء گزشتہ کی سنتوں اور طریقوں کو اختیار کرنے کی بھی گنجائش نہیں تو بعد کے کسی انسان کی خود تراشیدہ خواہشات وبدعات کو اپنانے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ دین کے نام پر خود تراشیدہ رسوم وبدعات کی سخت مذمت کی گئی ہے اور ضلالت وگمراہی فرمایا گیا ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک دن نماز سے فارغ ہوکر آنحضرت ﷺ نے ہمیں ایسا بلیغ وعظ فرمایا، جس سے آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہوگئے اور دل تھرتھرا گئے۔ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تو ایسا وعظ فرمایا، گویا آپ ہمیں رخصت فرمارہے ہیں، اس لیے ہمیں کوئی خصوصی وصیت فرمائیے، ارشاد ہوا:

’’أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة، وإن كان عبداً حبشياً، فإنهٗ من

يعش منكم بعدي فسيرى اختلافاً كثيراً، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها، وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة.'' (مشکوۃ،ص:۳۰)

ترجمہ: ''میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی اور امیر کی سمع وطاعت بجالانے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ وہ حبشی غلام ہو، کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا، وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، پس میری سنت کو اور خلفائے راشدینؓ کی سنت کو لازم پکڑنا اور دانتوں کی کچلیوں سے مضبوط تھام لینا اور جو نئے نئے امورِ دین میں اختراع کیے جائیں ان سے بچتے رہنا، کیونکہ ہر ایسی ایجاد تو بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اکابرِ امت فرماتے ہیں کہ: دین میں کسی نئی بدعت کی ایجاد در پردہ رسالتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات) کی تنقیص ہے، کیونکہ بدعت کے ایجاد کرنے والا گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی ایجاد کردہ بدعت کے بغیر دین نامکمل ہے اور یہ کہ نعوذ باللہ! خدا اور رسول ﷺ کی نظر وہاں تک نہیں پہنچی، جہاں اس بدعت پرست کی پہنچی ہے، یہی وجہ ہے کہ بدعت کے ایجاد کرنے کو دینِ اسلام کے منہدم کردینے سے تعبیر فرمایا، حدیث میں ہے:

''مَنْ وَقَّرَ صاحبَ بدعةٍ فقد أعان علىٰ هدم الإسلام.'' (مشکوۃ،ص:۳۱)

ترجمہ: ''جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم وتوقیر کی، اس نے اسلام کے منہدم کرنے پر مدد کی۔''

ان ضروری امور کی وضاحت کے بعد اب ''برکاتِ سنت'' کو بیان کرتا ہوں، لیکن یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ ''برکاتِ سنت'' بے شمار ہیں، ان کا احاطہ ممکن نہیں، یہاں بطورِ نمونہ چند امور کو بیان کرسکوں گا:

محبوبیتِ خداوندی

اتباعِ سنت کی سب سے اہم برکت یہ ہے کہ اس کی بدولت آدمی اللہ تعالیٰ کی نظر میں محبوب ہوجاتا ہے، قرآن کریم میں ہے:

''قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔'' (آلِ عمران:۳۱)

ترجمہ: ''آپ فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کردیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے عنایت فرمانے والے ہیں۔''

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

’’یعنی اگر دنیا میں آج کسی شخص کو اپنے مالک حقیقی کی محبت کا دعویٰ یا خیال ہو تو لازم ہے کہ اس کو اتباعِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لے، سب کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے گا۔ جو شخص جس قدر حبیبِ خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ چلتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی روشنی کو مشعل راہ بناتا ہے، اسی قدر سمجھنا چاہیے کہ خدا کی محبت کے دعویٰ میں سچا اور کھرا ہے اور جتنا اس دعویٰ میں سچا ہوگا، اتنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں مضبوط و مستعد پایا جائے گا، جس کا پھل یہ ملے گا کہ حق تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگے گا اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی برکت سے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور آئندہ طرح طرح کی ظاہری و باطنی مہربانیاں مبذول ہوں گی۔‘‘

اتباعِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی برکت سے حق تعالیٰ شانہ کی محبت ومحبوبیت حاصل ہونے کا راز یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محبوب رب العالمین ہیں۔ جو شخص بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وشباہت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و اعمال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وکردار کو اپنائے گا، وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں محبوب ہو جائے گا، کیونکہ محبوب کی ادائیں بھی محبوب ہوتی ہیں۔

دوسرے: یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر ادا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول وعمل منشا الٰہی کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا، گویا اگر کوئی شخص رضائے الٰہی کو مجسم شکل میں دیکھنا چاہتا ہو، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لے، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو عین اطاعتِ خداوندی قرار دیا گیا، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

’’مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ أَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا۔‘‘ (النساء:۸۰)

ترجمہ: ’’جس نے حکم مانا رسول کا، اس نے حکم مانا اللہ کا، اور جو اُلٹا پھرا تو ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا ان پر نگہبان۔‘‘ (ترجمۂ شیخ الہندؒ)

پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، رضائے الٰہی کا معیار ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت عین اطاعتِ خداوندی قرار پائی تو جو شخص بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقوں کو اپنائے گا اور جو شخص بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معین کردہ شاہراہِ عمل پر گامزن ہوگا، وہ رضائے الٰہی کا مورد ہوگا اور ’’رضي الله عنهم ورضوا عنه‘‘ کی بشارت سے سرفراز ہوگا۔ یہ اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات) کی انتہائی سعادت وخوش بختی ہے کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے محبوبیت ورضائے الٰہی کا مقام میسر آسکتا ہے۔

گوئے توفیق وسعادت درمیان افگندہ اند
کس بمیدان در نمی آید سواراں را چہ شد

یہاں یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ محبت دوطرفہ چیز ہے، پس جو شخص اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوگا وہ محب بھی ہوگا، جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

’’یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ‘‘ یعنی ’’اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔‘‘

گویا محبوب رب العالمین ﷺ کی سنت کو اختیار کرنے والے کو دو انعام عطا ہوتے ہیں: ایک یہ کہ: اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور دوسرے یہ کہ: اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ’’محبِ صادق‘‘ ہونے کی سند عطا کی جاتی ہے۔ یہ دونوں کتنے بڑے انعام ہیں؟ اس کی قدر کسی عاشقِ صادق سے پوچھیے، حضرت اقدس عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جب کبھی شوریدگانِ عشق کا ہوتا ہے ذکر
اے زہے قسمت! کہ ان کو یاد آجاتا ہوں میں

معیتِ نبوی ﷺ

اتباعِ سنت کی ایک برکت یہ ہے کہ ایسے شخص کو جنت میں آنحضرت ﷺ کی معیت نصیب ہوگی، آنحضرت ﷺ نے اپنے خادمِ خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

’’يا بني! إن قدرت أن تصبح وتمسي وليس في قلبك غش لأحد فافعل، ثم قال: يا بني! وذلك من سنتي، ومن أحب سنتي فقد أحبني ومن أحبني كان معي في الجنة.‘‘ (مشکوٰۃ، ص:۳۰)

ترجمہ: ’’اے بیٹا! اگر تو اس پر قادر ہو کہ ایسی حالت میں صبح وشام کرے کہ تیرے دل میں کسی کی جانب سے میل نہ ہو تو ضرور ایسا کر، پھر فرمایا: اے بیٹا! اور یہ میری سنت میں سے ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی، وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔‘‘

اس حدیث پاک میں سنت نبوی ﷺ کو محبوب ومرغوب رکھنے والے کے لیے متعدد انعامات کی بشارت ہے۔

ایک: یہ کہ ایسے شخص کا نام آنحضرت ﷺ کے عشاق ومحبین میں لکھا جائے گا، گویا ’’عشق رسول‘‘ کا معیار ہی ’’سنتِ نبوی ﷺ‘‘ سے محبت ہے، جو شخص جس قدر متبعِ سنت ہوگا، اسی قدر عشقِ رسالت میں اس کا مقام بلند ہوگا اور جو شخص جس قدر سنتِ نبوی کی پیروی سے محروم ہوگا، اسی قدر ’’عشقِ نبوی‘‘ سے بے نصیب ہوگا۔

دوسرے: یہ کہ اتباعِ سنت پر صادق مصدوق ﷺ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ ایسا وعدہ ہے جس

میں تخلُّف کا کوئی امکان نہیں، پس عشق ومحبت کے ساتھ سنتِ نبوی کی پیروی جنت کا ٹکٹ ہے۔

تیسرا انعام: جو تمام انعامات سے مزید تر ہے، یہ ہے کہ ایسے شخص کو جنت میں آنحضرت ﷺ کی رفاقت ومعیّت نصیب ہوگی اور یہ مضمون قرآن کریم میں بھی منصوص ہے، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

’’مَنْ يُّطِعِ اللهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللهِ وَكَفٰى بِاللهِ عَلِيْماً‘‘ (النساء:۶۸،۶۹)

ترجمہ: ’’اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا، سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا کہ وہ نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت ہیں اور اچھی ہے ان کی رفاقت۔ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کافی ہے جاننے والا۔‘‘ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

اس نعمتِ کبریٰ اور دولتِ عظمیٰ سے بڑھ کر کونسی نعمت ہوسکتی ہے کہ کسی خوش بخت کو سرورِ کونین ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام، صدیقین رضی اللہ عنہم، شہداءؒ اور صالحینؒ کی صحبت ورفاقت میسر آجائے۔

سو شہید کا مرتبہ

شہید فی سبیل اللہ کا مقام کتنا بلند ہے؟ اور اسے کس قدر انعامات سے نوازا جاتا ہے؟ قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ (ﷺ) میں اس کی تفصیل موجود ہے، لیکن ’’سنتِ نبوی ﷺ‘‘ پر مضبوطی کے ساتھ عمل کرنے والے کو سو شہید کا مرتبہ عطا کیا جاتا ہے، حدیث شریف میں ہے:

’’من تمسك بسنتي عند فساد أمتي، فلهٗ أجر مائة شهيد.‘‘ (مشکوٰۃ،ص:۳۰)

ترجمہ: ’’جس شخص نے میری سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھا میری اُمت کے بگاڑ کے وقت اس کے لیے سو شہید کا اجر ہے۔‘‘

یہ حدیث متعدد فوائد پر مشتمل ہے:

ایک: یہ کہ اس میں اُمت کے عمومی بگاڑ کی پیشن گوئی فرمائی گئی ہے۔ ’’عمومی بگاڑ‘‘ کا لفظ میں نے اس لیے کہا کہ لاکھ دو لاکھ آدمیوں کی جماعت میں اگر سو پچاس آدمی بگڑے ہوئے ہوں تو اس بگاڑ کو پوری جماعت کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔ یہاں آنحضرت ﷺ نے ’’فسادِ امت‘‘ کا لفظ استعمال فرمایا ہے، جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ امت کی اکثریت میں فساد آئے گا، کہیں عقائد کا بگاڑ ہوگا، کہیں اعمال کا، کہیں اخلاق کا، کہیں معاملات اور معاشرت کا بگاڑ ہوگا، آج امت کے مجموعی حالات پر نظر ڈالی جائے تو ’’فساد أمتي‘‘ کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔

دوم: یہ کہ امت کا یہ بگاڑ ترکِ سنت کی وجہ سے ہوگا، یعنی امت، آنحضرت ﷺ والے اعمال اور اخلاق وآداب کو چھوڑ کر گمراہ قوموں کے نقشِ قدم پر چل پڑے گی اور یہی چیز اس کے عالمگیر فساد کا سبب بن جائے گی۔

یہ امت غیر قوموں کی تقلید کے لیے وجود میں نہیں لائی گئی، بلکہ اقوامِ عالم کی امامت وقیادت کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا تھا، اور وہ امامت وقیادت کے منصب پر اسی وقت تک فائز رہے گی، جب تک وہ خود اپنے نبی الرحمت ﷺ کی مقتدی ہو، آپ ﷺ کے نقشِ قدم کی پابند ہو اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی امانت کی نگہبان و پاسبان ہو، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

''کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ'' (آلِ عمران:۱۱۰)

ترجمہ: ''تم ہو بہتر سب اُمتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں، حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔'' (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

افسوس ہے کہ قرآن کریم نے ''خیرِ امت'' کے جو اوصاف وخصوصیات اس آیتِ کریمہ میں بیان فرمائے ہیں، اپنے نبی رحمت ﷺ کی سنت وطریقہ کو چھوڑنے کی وجہ سے امت ان خصوصیات سے ہاتھ دھو بیٹھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اقوامِ عالم کی قیادت کے بجائے ان کی دریوزہ گر ہو کر رہ گئی۔ آج اس کی گراوٹ وپستی کا یہ عالم ہے کہ وہ مادیات ہی میں دوسری قوموں سے بھیک نہیں مانگ رہی، بلکہ آئین وقانون، تمدن وشہریت اور اخلاق ومعاشرت کے آداب بھی باہر سے درآمد کررہی ہے، فإلی اللہ المشتکٰی.

سوم: یہ کہ امت کے عمومی فساد اور بگاڑ کی فضا میں بھی ہر امتی کو تاکید فرمائی گئی ہے کہ وہ سنتِ نبوی ﷺ سے تمسک کرے اور اس کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھے، ایسے پُرازفساد ماحول میں بھی کسی شخص کے لیے یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ ''اجی کیا کریں؟ پورا معاشرہ ہی بگڑا ہوا ہے، ایسے ماحول میں ''سنتِ نبوی ﷺ'' پر عمل کیسے کریں؟'' نہیں، بلکہ چارسو ہزار فتنہ وفساد ہو، معاشرہ اور ماحول کتنا ہی بگڑا ہوا ہو، اتباعِ سنت کی پابندی بہرحال لازم ہے، یہ کبھی ساقط نہیں ہوسکتی، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اُمت کے عمومی بگاڑ اور فساد کے زمانے میں بھی ''سنت'' کو مضبوطی، عزم اور حوصلہ کے ساتھ تھامنے کا حکم فرمایا ہے۔

چہارم: یہ کہ جو شخص ایسے فساد آمیز ماحول میں بھی ''سنتِ نبوی'' کو سینے سے لگائے رکھے، اس کو بشارت دی گئی ہے کہ یہ قیامت کے روز سو شہیدوں کا اجر ومرتبہ پائے گا، کیونکہ شہید تو ایک مرتبہ اپنی جانِ عزیز کا نذرانہ بارگاہِ خداوندی میں پیش کرکے سرخرو ہوجاتا ہے اور یہ شخص کارزارِ زندگی میں جہادِ مسلسل کررہا ہے، اس پر

ہر طرف سے طعنوں کی بارش ہورہی ہے، کوئی ''دقیانوسی'' کہہ رہا ہے، کوئی کٹھ ملّا کا خطاب دے رہا ہے، کوئی ''رجعت پسند'' کی پھبتی اُڑا رہا ہے۔ الغرض اس مجاہد کو ہزار طعنے برداشت کرنا پڑ رہے ہیں، جن سے اس کے قلب وجگر چھلنی ہیں، لیکن اس نے بھی ''محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی کا عہد باندھ رکھا ہے اور وہ ہر قیمت پر اس عہد کو نبھا رہا ہے، اس لیے کوئی شک نہیں کہ اس کا کارنامہ سو مجاہدوں کے برابر شمار کیے جانے کے لائق ہے، ایسا شخص مرتے وقت پوری طعنہ زن قوم کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
فقیرانہ آئے صدا کر چلے

اور آنحضرت ﷺ کی بارگاہِ عالی میں عرض کرتا ہے:

جو تجھ بن نہ جینے کا کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ صفوۃ البریۃ محمد وآلہٖ وأصحابہٖ وأتباعہٖ أجمعین

دلائلِ شرعیہ اور چند اہم دینی اصطلاحات

افادات: حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
مرسلہ: ابواسامہ، کراچی

تعارف واحکام (پہلی قسط)

دلائلِ شرعیہ چار ہیں: کتاب، سنت، اجماعِ امت اور قیاس۔

جو امر اِن دلائلِ چہارگانہ میں سے کسی ایک سے بھی ثابت ہو وہ دین میں معتبر ہوگا، ورنہ رَد ہے۔ یہ بھی غلطی ہوگی کہ ان چار میں سے کسی ایک کو نہ مانا جائے اور یہ بھی غلطی ہوگی کہ ان چاروں سے تجاوز کیا جائے۔

اجماع کا ثبوت

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ اجماعِ امت کا حجتِ شرعیہ ہونا قرآن مجید سے بھی ثابت ہے یا نہیں؟ اس کے جواب کے لیے آپؒ نے چار مرتبہ کلامِ مجید ختم کیا، تو یہ آیت خیال میں آئی:

’’وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى ......۔‘‘

ترجمہ: ’’اور جو کوئی مخالفت کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب کہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ۔‘‘

جس سے اجماع کا حجتِ شرعیہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اجماع کی حقیقت

اجماع کی حقیقت یہ ہے کہ کسی عصر کے جمیع علماء کسی امرِ دینی پر اتفاق کرلیں اور اگر کوئی عمداً یا خطأً اس اتفاق سے خارج رہے تو اس کے پاس کوئی دلیل محتملِ صحت نہ ہو اور خطا میں وہ معذور بھی ہوگا۔ غرض مطلقاً عدمِ شرکت مضرِ تحققِ اجماع نہیں، ورنہ قرآن مجید کے یقیناً محفوظ اور متواتر ہونے کا دعویٰ مشکل ہوجائے گا، کیونکہ احادیثِ بخاری سے ثابت ہے کہ حضرت ابی (رضی اللہ عنہ) آیاتِ منسوخۃ التلاوۃ کو داخلِ قرآن

اور حضرت ابودرداء (رضی اللہ عنہ) سورۃ اللیل کی آیت: ''وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ'' میں کلمہ ''وَمَا خَلَقَ'' کو اور ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) معوذتین کو خارج قرآن سمجھتے تھے، حالانکہ ایک ساعت کے اعتبار سے بھی اس کا کوئی قائل نہیں، بلکہ سب اس کو تمام ازمنہ کے اعتبار سے یقینی اور محفوظ سمجھتے رہے اور چونکہ ان حضرات کو استدلال میں یقیناً غلطی ہوئی، اس لیے کسی نے سلفاً وخلفاً اس کو مضر ومخلِ اجماع نہیں سمجھا، البتہ ان کو بھی شبہ کی وجہ سے معذور سمجھا۔

ظنّی اجماع

یا تو مراد اجماع سے اتفاقِ اکثرِ امت ہے اور گو ایسا اجماع ظنی ہوگا، مگر دعوائے ظنی کے اثبات کے لیے دلیلِ ظنی کافی ہے اور ہر اختلاف فلاحِ اجماع نہیں۔

قیاس کی تعریف

''فَاعْتَبِرُوْا يَاأُولِي الْأَبْصَارِ''... ترجمہ: ''سو عبرت پکڑو اے آنکھ والو!۔'' یہ آیت بتلارہی ہے کہ قیاس بھی حجت ہے، حجتِ شرعیہ صرف قیاسِ فقہی ہے، جس کا حاصل بضرورتِ عمل اشتراکِ علت کی وجہ سے حکم کا تعدیہ کرنا ہے مقیس علیہ سے مقیس کی طرف اور چونکہ اصل حکم منصوص میں بھی مؤثر ہے اور وہی علت ہے اور وہ مقیس میں بھی پائی جاتی ہے، اس لیے اس کے حکم کو بھی نص کی طرف مستند کیا جاتا ہے۔

قیاس کی مثال

قیاس مظہر ہوتا ہے اور مثبت نص ہی ہوتی ہے، جیسے ''کل مسکر حرام'' ہے اور افیون بھی مسکر ہے، (اس لیے) وہ بھی حرام ہے، پس مثبت حرمتِ افیون کی بھی نص ہی ہوگی۔

قیاس کرنے یا نہ کرنے کا حکم

جس امر میں نص ہو اگر وہ احکامِ فقہیہ جواز میں سے ہے تو اس میں قیاس کرنا ''فَاعْتَبِرُوْا يَاأُولِي الْأَبْصَارِ''... ترجمہ: ''سو عبرت پکڑو اے آنکھ والو!۔'' وغیرہ نصوص سے مامور بہ ہے اور اگر وہ احکامِ شرعیہ سے نہ ہو تو اس میں قیاس کرنا ''لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ''... وغیرہ نصوص سے منہی عنہ ہے۔

کیا ملائکہ اور مجذوبین بھی قیاس کرتے ہیں اور ان کا اجتہاد غلط بھی ہوسکتا ہے؟

فرمایا: میرا رجحان پہلے اس طرف تھا کہ مجذوبین اجتہاد نہیں کرتے، محض امرِ صریح کے متبع ہیں اور ملائکہ کے متعلق بھی خیال تھا کہ وہ بھی محض نصوص کے متبع ہیں، مگر حدیث جبرئیل ''إنهٗ دس الطين في فم

فرعون مخافة أن تدركه الرحمة'' (روایت بالحاصل) نیز حدیث ''القاتل التائب من الذنب اختلف فیه ملائكة الرحمة والعذاب'' سے اس طرف رجحان ہوگیا ہے کہ ملائکہ اجتہاد بھی کرتے ہیں، وكذا المجذوبين وزاد الرجحان بقصة الإشراق أن المجذوبين مختلفون في أحكام بقاء السلطنة وتبدلها.

واقعۂ حدیث: ''القاتل التائب من الذنب'' یا توبہ میں اختلاف تھا، اس لیے ملائکہ نے اجتہاد کیا جو فیصلہ کے وقت ایک غلط بھی ثابت ہوا، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ملائکہ بھی اجتہاد کرتے ہیں اور اُن کا اجتہاد غلط بھی ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ملائکہ کو بعض اوقات قواعدِ کلیہ بتا دیئے جاتے ہیں، جب ہی تو ان کو اجتہاد کی نوبت آئی۔

علمِ اعتبار کی حقیقت

علمِ اعتبار کی حقیقت یہ ہے کہ ایک مشبہ کو دوسرے مشبہ بہ سے واضح کیا جائے، ثابت نہ کیا جائے، بلکہ مشبہ دلیلِ آخر سے ثابت ہے اور یہ نہ مجاز میں داخل ہے خواہ مجاز مرسل ہو خواہ استعارہ، کیونکہ مجاز میں موضوع لہٗ کے مراد نہ ہونے پر قرینہ ہوتا ہے، اس لیے غیر موضوع لہٗ مراد ہوتا ہے اور یہاں نہ موضوع لہٗ کے غیر مراد ہونے کا کوئی قرینہ ہے، نہ غیر موضوع لہٗ مراد ہے اور نہ یہ کنایہ میں داخل ہے، کیونکہ کنایہ میں معنیٰ موضوع لہٗ متروک نہیں ہوتے، بلکہ کلام کا مدلول اصلی وہی موضوع لہٗ ہوتا، مگر مقصود اس کا لازم یا ملزوم ہوتا ہے، جیسے: '' طويل النجاد'' کہ اس میں مدلولِ وضعی متروک نہیں، مدلولِ کلام وہی ہے، مگر مقصود ''طويل القامة'' ہے، کیونکہ ''طويل النجاد'' کے لیے ''طويل القامة'' لازم ہے اور اعتبار میں وہ معنیٰ نہ مقصود ہے نہ مدلولِ کلام ہے، پس یہ اعتبار گویا قیاسِ تصرفی ہے اور مشابہ ہے قیاسِ فقہی کے، مگر عین قیاسِ فقہی نہیں، کیونکہ قیاسِ فقہی میں علتِ جامعہ مؤثر ہے حکم مقیس میں، اس لیے وہ حکم منسوب الی القیاس ہوتا ہے، یہاں یہ بھی نہیں ہے، صرف مقیس مقیس علیہ میں تشابہ ہے اور اس مشابہت کو حکم میں کوئی اثر نہیں، بلکہ وہ حکم خود مستقل دلیل سے ثابت ہے، یہ حقیقت ہے علمِ اعتبار کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ''اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا'' کی تفسیر میں فرمایا ہے: ''لين القلوب بعد موتها و إلا فقد علم إحياء الأرض مشاهدة'' یعنی یہاں ''أرض'' سے مراد قلوب ہیں، یہ بھی علمِ اعتبار ہی ہے اور ''إلا فقد علم إحياء الأرض'' سے مشہور تفسیر کی نفی کرنا مقصود نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ اے مخاطب! تجھ کو اس آیت میں ظاہری مدلول پر اکتفا نہ کرنا چاہیے، کیونکہ وہ تو ظاہر ہی ہے، بلکہ اس سے قلوب کی طرف انتقال کرنا چاہیے کہ دلوں کی بھی وہی حالت ہے جو زمین کی

حالت ہے۔ یہ روایات میرے رسالہ ''مسائل السلوک'' میں مذکور ہیں۔ ان آثار وغیرہ سے ثابت ہوگیا کہ علمِ اعتبار صوفیاء کی بدعت نہیں، نصوص میں اس کی اصل موجود ہے، پس جو لوگ علمِ اعتبار کی رعایت کرنے میں صوفیاء پر زندقہ اور الحاد کا فتویٰ لگاتے ہیں، وہ غلطی کرتے ہیں۔ یہ لطائف، تاویلات، نکات کے درجہ میں ہیں، تفسیر نہیں اور ان کو علومِ قرآنیہ نہیں کہہ سکتے۔

صوری قیاس اور اس کا حکم

غیر مدلولِ قرآنی کو مدلولِ قرآنی پر کسی مناسبت ومشابہت سے قیاس کرلیا جائے، یہ حقیقی قیاس نہیں، محض صورت قیاس کی ہے، اس لیے قیاس کے احکام ثابت نہیں۔ یہ قیاس حجتِ شرعیہ نہیں، اس لیے اس قیاس سے اس حکم کو نص کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں، حجتِ شرعیہ صرف قیاسِ فقہی ہے۔

صوری قیاس کے اقسام: تفاول، اعتبار، تعبیر

پھر آگے ان میں ایک تفصیل ہے، جس سے دونوں کا درجہ جدا جدا ہوجاتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر غیر مدلولِ قرآنی مقصودِ دینی ہے تو اس (صوری) قیاس کا درج علمِ اعتبار ہے اور وہ معمول اُمت کا رہا ہے، بشرطیکہ اس کو درجۂ تفسیر تک نہ پہنچایا جائے۔ اور اگر وہ غیر مدلولِ قرآنی مقصودِ دنیوی ہے تو اس قیاس کا درجہ فال متعارف یا شاعری سے زیادہ نہیں، گو مقیس صحیح ہی ہو یا اتفاق سے صحیح ہوجائے۔ پس جو درجہ اس شاعری یا اس تفاول کا ہے، یہی درجہ اس قیاس متکلم فیہ کا ہے۔

ایک علم جو بوجہ انتساب الی الصلحاء اس (تفاول وشاعری) سے بھی اشرف ہے، یعنی تعبیرِ رؤیا، اس کا مدار بھی ایسے ہی مناسبات پر ہے، اس کو بھی نہ کوئی قابلِ تحصیل سمجھتا ہے اور نہ کسی درجہ میں اس کو حجت سمجھتا ہے۔

علمِ اعتبار، علمِ تعبیر سے اشرف ہے

علمِ اعتبار علمِ تعبیر سے بھی اشرف ہے اور اشرف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تعبیر سے تو فقط احکامِ تکوینیہ پر استدلال کیا جاتا ہے اور علمِ اعتبار سے خالص احکامِ شرعیہ پر (استدلال کیا جاتا ہے، اس لیے علمِ اعتبار) دو درجہ اشرف ہوا۔

قیاسِ فقہی اور قیاسِ تصرفی کا فرق اور دونوں کا حکم

علمِ اعتبار یہ ہے کہ دوسرے کے قصہ کو اپنی حالت پر منطبق کرکے سبق حاصل کیا جائے، دو چیزوں میں مشابہت ہوتو ایک نظیر سے دوسری نظیر کا استحضار کیا جائے اور یہی عبرت حاصل کرنے کے معنی ہیں کہ

دوسرے کی حالت کو اپنے اوپر منطبق کیا جائے۔

ایسے استنباطات کا درجہ فقہی قیاس سے بھی کم ہے، نہ وہ اشارات یقینی ہیں، نہ ان سے تعبیر مقصود ہے، خود وہ علم بھی قابلِ تحصیل نہیں، بلکہ بلا تحصیل ہی جس کے ذہن کو ان مناسبات سے مناسبت ہوگی، وہ ایسے استدلالات پر قادر ہوگا، گو علم وفضل میں کوئی معتد بہ درجہ نہ رکھتا ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ فقہی قیاس میں تو غیر منصوص کو منصوص کے ساتھ لاحق کر کے اس پر حکم کرتے ہیں اور وہ بھی جہاں مستقل دلیل نہ ہو، یہ غیر منصوص بھی علت کے واسطے سے نص کا مدلول ہوتا ہے اور قیاس محض مُظہر ہے۔ اور صوفیاء کے قیاسات (علمِ اعتبار) اگر اور دلیل سے ثابت نہ ہوں تو ان نصوص سے ثابت ہی نہیں ہوتے، یہ اعتبار محض ایک تشبیہ کا درجہ ہے، جس میں وجۂ تشبیہ مؤثر فی الحکم نہیں ہوتی۔

استدلال تو مفہومِ لغوی سے ہوتا ہے، ان طرق کے ساتھ جو اہلِ معانی واصول نے بیان کیے ہیں اور اعتبار تشبیہ واشارہ کے طور پر ہوتا ہے۔

علمِ اعتبار کا قرآن سے ثبوت

اور ان دونوں کی اصل قرآن سے ثابت ہے، دوسرے طریق کا نام خود قرآن ہی میں آیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: ''فَاعْتَبِرُوْا يٰأُولِي الْأَبْصَارِ '' اس سے اوپر بنونضیر کے جلاوطن کیے جانے کا قصہ مذکور ہے، جس کے بیان کرنے کے بعد یہ فرمایا ہے کہ اے بصیرت والو! عبرت حاصل کرو، یعنی اگر تم ایسی حرکت کروگے، جو ان لوگوں نے کی ہے تو اپنے واسطے بھی اس عذاب کو تیار سمجھو اور یہی تو علمِ اعتبار ہے کہ دو چیزوں میں مشابہت ہو تو ایک نظیر سے دوسری نظیر کا استحضار کیا جائے اور یہی عبرت حاصل کرنے کے معنی ہیں کہ دوسرے کی حالت کو اپنے اوپر منطبق کیا جائے۔

علمِ اعتبار کی مثال

''اِذْهَبْ إِلٰى فِرْعَوْنَ إِنَّهٗ طَغٰى '' کے تحت صوفیاء نے لکھا ہے: ''اذهب یا روح! إلى النفس وجاهدها إنها قد طغت '' کہ اے روح! نفس کی طرف جا اور اس سے جہاد کر کے اس کو مغلوب کر کہ وہ حد سے نکلا جا رہا ہے۔ صوفیاء کی مراد تفسیر کرنا نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ اے قرآن پڑھنے والے! تو قرآن کے قصوں کو محض قصہ سمجھ کر نہ پڑھ، بلکہ ان سے سبق حاصل کر، کیونکہ قرآن کریم میں جو قصے ہیں وہ عبرت حاصل کرنے کے لیے بیان کیے گئے ہیں: ''لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ'' پس جب تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ پر پہنچے تو اس سے یہ سبق حاصل کر کہ تیرے اندر بھی ایک چیز موسیٰ کے اور ایک چیز فرعون کے مشابہ ہے، یعنی روح اور نفس، ایک داعی الی الخیر ہے جو مشابہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہے، دوسرے داعی

الی الشر ہے جو مشابہ فرعون ملعون کے ہے، پس تو بھی اپنے روح کو نفس پر غالب کر اور نافرمانیوں سے باز آ جا، یہ علمِ اعتبار ہے کہ دوسرے کے قصہ کو اپنی حالت پر منطبق کر کے سبق حاصل کیا جائے۔

علمِ اعتبار یا قیاسِ تصرفی کی دلیل

رہا یہ سوال کہ جس طرح صوفیاء نے علمِ اعتبار کا استعمال کیا ہے، کیا نصوص میں بھی استعمال آیا ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ بحمد اللہ! اس کی نظیر نصوص میں بھی موجود ہے اور میں یہ بات خود نہیں کہتا، بلکہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے قول سے میں اس کا ثبوت دیتا ہوں، اتنے بڑے محقق نے دو حدیثوں کے متعلق ''الفوز الکبیر'' میں یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ تقدیر کا مسئلہ ارشاد فرمایا:

'' ما منكم من أحد إلا وقد كتب لهٗ مقعدهٗ من النار ومقعدهٗ من الجنة، قالوا: يا رسول الله! أفلا نتكل على كتابنا وندع العمل؟.'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اعملوا فكل ميسر لما خلق لهٗ، أما من كان من أهل السعادة فسيُيَسر لعمل السعادة.'' اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی: ''فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ الاية۔''

اب اس پر سوال ہوتا ہے کہ اس آیت میں تقدیر کا ذکر کہاں ہے؟ آیت کا مدلول تو یہ ہے کہ اعطاء وتقویٰ سے جنت آسان ہوجاتی ہے اور بخل واستغناء سے دوزخ آسان ہوجاتی ہے۔ اس کا جواب شاہ صاحبؒ نے دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور علمِ اعتبار کے اس آیت کے مضمون سے حدیث کے مضمون پر استشہاد فرمایا ہے اور مقصود تشبیہ دینا ہے کہ جیسے بواسطہ بعض اعمال کے بعض کے لیے جنت اور بعض کے لیے دوزخ کو آسان کر دیا جاتا ہے، اسی طرح بواسطہ تقدیر کے بعض کے لیے اعمالِ صالحہ کو، بعض کے لیے معاصی کو آسان کر دیا ہے اور یہ تشبیہ محض توضیح کے لیے ہے کہ تقدیر سے تیسیر ویسی ہی ہوجاتی ہے جیسی اس آیت میں تیسیرِ اعمال سے مذکور ہے، پس مقصود تشبیہ سے توضیح ہے، شاہ صاحبؒ نے حدیث کی شرح میں علمِ اعتبار کی اصل قرآن سے بتلائی ہے۔

حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علمِ اعتبار کا استعمال فرمایا ہے، بڑے شخص کے سر رکھ کر میں یہ کہہ رہا ہوں، خود اتنی بڑی بات نہیں کہتا، کیونکہ یہ بڑا دعویٰ ہے اور اگر کوئی شاہ صاحبؒ کے قول کو نہ مانے تو میں اس سے کہوں گا کہ پھر وہ ان حدیثوں کی شرح کر دے، یقیناً ان حدیثوں میں کوئی علمِ وہبی ہے، وجہِ ربط بجز اس کے جو شاہ صاحبؒ نے فرمایا، بیان نہ کر سکے گا۔ (جاری ہے)

.....❁.....❁.....❁.....

اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا علمی مقام

مولانا غلام اکبر لاشاری
فاضل جامعہ اشرفیہ، لاہور

اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تمام ازواجِ مطہرات میں ایک خاص مقام رکھتی تھیں، آپ کو مجتہد صحابہؓ میں شمار کیا جاتا ہے، بلکہ اصحابِ رسول کو جب کسی مسئلہ میں مشکل پیش آتی تو آپ کے درِ اقدس پہ حاضر ہوتے اور اپنے مسائل پیش کرتے، آپ ان کا تشفی بخش جواب عنایت فرماتیں۔ ایک کثیر جماعتِ صحابہؓ وتابعینؒ کو آپ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ کبار صحابہ کرام وصحابیات علیہم الرضوان کو آپ پر حد درجہ اعتماد تھا۔ مختلف علوم پر آپ کو مکمل دسترس تھی۔ آپؓ کے مایہ ناز شاگرد، بھانجے اور تربیت یافتہ حضرت عروہؒ بن زبیرؓ کا قول ہے:

''مَارَاَیْتُ اَحَدًا اَعْلَمَ بِالْقُرْآنِ وَلَا بِفَرِیْضَةٍ وَلَا بِحَلَالٍ وَلَا بِفِقْهٍ وَلَا بِشِعْرٍ وَلَا بِطِبٍّ وَلَا بِحَدِیْثِ الْعَرَبِ وَلَا نَسبٍ مِّنْ عَائِشَةؓ .'' (تذکرۃ الحفاظ)

ترجمہ: ''میں نے قرآن، فرائض، حلال وحرام، فقہ، شاعری، طب، عرب کی تاریخ اور نسب کا عالم سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔''

طبقاتِ ابن سعد میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ ''میں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ نہ کسی کو سنتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا عالم دیکھا، نہ کسی ایسے معاملے میں جس میں رائے کی حاجت ہو، ان سے زیادہ کسی کو فقیہ دیکھا، اور نہ کسی آیت کے شانِ نزول میں ان سے زیادہ عالم دیکھا اور نہ فرائض میں کسی کو آپ سے بڑھ کر پایا۔''

اسی طرح عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کَانَتْ عَائِشَةُ اَفْقَهَ النَّاسِ وَاَعْلَمَ النَّاسِ وَاَحْسَنَ النَّاسِ رَاْیاً فِی الْعَامَّةِ .''

یعنی ''عام معاملات میں حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سب سے بڑھ کر فقیہہ، سب سے بڑی عالمہ اور رائے ومشورہ میں سب سے بڑھ کر تھیں۔''

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ ان تمام باتوں کا احاطہ کرتے ہوئے آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''لَو جُمِع عِلْمُ النَّاسِ كُلّهم ثُمّ عِلمُ اَزْوَاجِ النَّبِی ﷺ فكَانَت عائشةُ وُسْعُهم عِلماً.'' (طبقات ابن سعد ، الإصابة في تمييز الصحابةؓ)

''اگر تمام مردوں اور اُمّہات المومنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم سب سے وسیع تر ہوگا۔''

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا مقام اور مرتبہ کسی سے مخفی نہیں، ان کا قول سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایک حجت کا درجہ رکھتا ہے۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدہ صدیقہؓ علم کا بحرِ بے کنار تھیں۔ (تذکرۃ الحفاظ)

فقیہۂ امت

ابن سعدؒ نے محمود بن لبیدؒ سے روایت کیا ہے کہ: ''ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کثیر احادیث حفظ کیں، مگر نہ عائشہؓ، اُم سلمہؓ کے برابر۔''

سیدہ عائشہ، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد میں اپنی وفات تک برابر فتویٰ دیتی رہیں، ان پر اللہ کی رحمت ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے پاس اکابر صحابہؓ حضرت عثمان، حضرت عمر رضی اللہ عنہما آدمی بھیج کر احادیث دریافت کیا کرتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپؓ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی فتویٰ دیتی تھیں۔ (طبقاتِ ابن سعد)

آپؓ کے تبحرِ علمی کے سبھی اصحابِ پاکؓ ناصرف معترف تھے، بلکہ اکابر صحابہ کرامؓ کو آپ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے اور مشکل مسئلہ میں آپ ہی کی طرف رجوع کیا جاتا، گویا کہ وصالِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؓ نے اُمت کی ہمیشہ رہنمائی فرمائی ہے۔

حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اکابر صحابہؓ کی ایک جماعت نے تفقہ حاصل کیا ہے اور روایت کی ہے۔ ان میں عمرو بن عاصؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، زید بن خالد جہنیؓ، ابوہریرہؓ، ابن عباسؓ، ربیعہ بن عمرو جوشیؓ، سائب بن یزیدؓ، حارث بن عبداللہ ابن نوفلؓ وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ اور اکابر تابعین میں سعید ابن مسیبؒ، علقمہ بن قیسؒ، عمرو بن میمونؒ، مطرف بن عبداللہ بن شخیرؒ، مسروق بن اجدعؒ، اسود بن یزید نخعیؒ کے علاوہ بہت بڑی جماعت ہے۔'' (خیر القرون کی درسگاہیں، صفحہ نمبر: ۱۲۵)

کثیر الروایہ

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: آپ کو آٹھ برس اور پانچ ماہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و رفاقت میں رہنے کا شرف حاصل ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا شمار کثیر الروایہ صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ مسند احمد بن حنبل میں آپ کی مرویات کی تعداد ۲۴۳۴ درج ہے، اس میں تکرار کو شمار کیا گیا ہے۔ بغیر تکرار کے محدثین نے آپ کی مرویات کی تعداد ۲۲۱۰ نقل کی ہے، جن میں ۱۷۴ احادیث متفق علیہ، ۵۴ احادیث میں امام بخاریؒ منفرد ہیں اور ۶۸ احادیث میں امام مسلمؒ منفرد ہیں۔

بعض علماء نے آپ کو کثیر الروایہ صحابہؓ میں چوتھے، بعض نے چھٹے اور بعض نے ساتویں نمبر پر شمار کیا ہے۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کا علمی مقام ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''روایات کی کثرت کے ساتھ ساتھ تفقُّہ اور قوتِ استنباط کے علاوہ سیدہ عائشہؓ کی روایتوں کی ایک خاص خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ جن احکام اور واقعات کو نقل کرتی ہیں، ان کے علل و اسباب بھی بیان کرتی ہیں۔ وہ خاص حکم جن مصلحتوں پر مبنی ہوتا ہے، ان کی تشریح کرتی ہیں۔'' (سیرتِ عائشہؓ)

علم الفرائض

علم الفرائض کو نصف علم قرار دیا جاتا ہے، قدرت نے آپؓ کو اس سے بھی حظِّ وافر عطا فرمایا تھا۔ آپ نے صحبت و رفاقتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خوب خوب استفادہ کیا، پھر اسے اُمت کو منتقل کرنے میں حق ادا کر دیا۔ ابن سعدؒ مسروقؒ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ:

''ان سے کہا گیا کہ کیا حضرت عائشہؓ فرائض اچھی طرح جانتی تھیں؟ انہوں نے کہا: کیا خوب! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی اُستانی دیکھا ہے کہ اکابر صحابہ کرامؓ ان سے فرائض پوچھتے تھے۔'' (طبقات ابن سعد، الاستیعاب)

دیگر علوم

علم الانساب تو گویا آپ کو وراثت میں ملا تھا، کیونکہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ علم الانساب میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، علمِ کلام کے بارے میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا، جن میں رؤیتِ باری تعالیٰ، عصمتِ انبیاء

کرام علیہم السلام اور سماعِ موتی پر آپ کے نظریات وخیالات سے متکلمین کو راہنمائی ملتی ہے۔علمِ تاریخ میں ہشام نے اپنے والد عروہ کا جو قول نقل کیا ہے وہ کافی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ: ’’تاریخ وانساب میں آپ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر جاننے والا کوئی نہ تھا۔‘‘

حضرت عروہؒ کہتے ہیں کہ: ’’میں نے فقہ، طب اور شعر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ علم والا نہیں دیکھا۔‘‘

اشعار کے بارے میں حضرت عروہؒ ہی کے بارے میں ابن عبدالبرؒ نے الاستیعاب میں لکھا ہے کہ: ’’ابوزناد کہتے ہیں کہ میں نے اشعار کے حفظ کے بارے میں حضرت عروہؒ جیسا کسی کو نہیں دیکھا، ان سے پوچھا گیا: اے ابوعبداللہ! یہ اشعار آپ کو کس نے یاد کروائے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ مجھے صرف وہی اشعار آتے ہیں جو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنے ہیں، وہ ہر موقع شعر سنایا کرتی تھیں۔‘‘ (الاستیعاب لابن عبدالبر)

آپ کو فصاحت و بلاغت میں نمایاں مقام حاصل تھا، اس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کا درجہ ہے، آپ کے خطبات اس کی عکاسی کرتے ہیں جن میں جوشِ خطابت، فصاحت و بلاغت، اسرار و اشعار کی آمیزش ہوتی، جیسا کہ ترمذی میں موسیٰ بن طلحہ کا یہ قول نقل ہے: ’’مَارَاَیْتُ اَفْصَحَ مِن عَائِشَۃ.‘‘ .... ’’میں نے عائشہؓ سے زیادہ کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا۔‘‘

تاہم آپ اشعار نہیں کہتی تھیں، البتہ شاعرانہ صلاحیت آپ میں خوب تھی، علاوہ ازیں اللہ نے آپ کو مختلف علوم میں مہارتِ تامہ عطا فرمائی تھی، جن میں سے چند ہم نے اختصار سے پیش کیے ہیں۔ اسلامی تاریخ، غزوات، سیر، نزولِ قرآن کی ترتیب ومقامات، وحی کی کیفیت اور دیگر واقعات آپ ہی کے ذریعے امت تک پہنچے، آپ کی روایت کردہ احادیث، آپ کے فتاویٰ اور اقوال آج بھی امت کے لیے رشد وہدایت کا ذریعہ ہیں اور تاقیامت آپ کا یہ فیض جاری وساری رہے گا۔

استاذ المحدثین نامور سیرت نگار حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں: ’’احکامِ شرعیہ کا چوتھائی حضرت عائشہؓ سے منقول ہے۔‘‘ (سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، جلد سوم)

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

مولانا عمر مشتاق
جموں، کشمیر

حضرت علی بن شہاب الدین ہمدانیؒ کے رسالہ

''ناسخ القرآن و منسوخہ'' کا تعارف

علوم القرآن میں ایک اہم عنوان ناسخ ومنسوخ کا ہے۔ نسخ کے معنی لغت میں ''ختم کرنا''، ''مٹانا''، ''ازالہ کرنا''، ''لکھنا'' یا ''نقل کرنا'' آتے ہیں۔ نسخ اس امر کو بھی کہتے ہیں جو کسی حکم کی انتہائے مدت پر دلالت کرے۔ اصطلاحی معنی میں نسخ کسی شرعی حکم کو کسی شرعی دلیل سے ختم کرنے کو کہتے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا کسی پہلے نازل شدہ حکمِ شرعی کو زمانے کی مناسبت سے دوسرے حکمِ شرعی سے ختم اور تبدیل کرنے کا نام ''نسخ'' ہے۔ یہ ختم کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت ہے، نہ کہ معاذ اللہ کوئی نقص و عذاب۔ نسخ کا معنی رائے کی تبدیلی نہیں، بلکہ ہر زمانے کے اعتبار سے مناسب احکام جاری کرنا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی نئے حکم سے پرانے حکم کو منسوخ کر دیتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اب کوئی نئی بات سوجھی جو اس کو پہلے معلوم نہ تھی، بلکہ نسخ کی بنیاد مصالح وفوائد پر ہوتی ہے، جن سے اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے دین پر چلنا آسان کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حالات کی تبدیلی کی بنا پر ایک نیا حکم نازل کرتا ہے، جس کی لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے۔ نسخ کی وجہ علمِ الٰہی میں تغیر وتبدل نہیں، بلکہ لوگوں کے حالات میں تبدیلی ہے جو وقت کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو پہلے سے ہی ہوتا ہے کہ پہلا حکم کس مدت تک ہے اور کس حکم سے اس کو منسوخ کیا جائے گا۔ جو پرانا حکم ختم ہوجاتا ہے اسے ''منسوخ'' اور جو نیا حکم آتا ہے اسے ''ناسخ'' کہتے ہیں۔ ''ناسخ'' فاعل کے وزن پر ہے، جس کا معنی ہے نسخ کرنے والا، جبکہ ''منسوخ'' مفعول کے وزن پر ہے، جس کا معنی ہے نسخ (ختم) ہونے والا۔

قرآن کریم میں نسخ کی سب سے بڑی دلیل خود قرآن کریم میں ہی موجود ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے:

''مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' (البقرۃ:۱۰۶)

ترجمہ: ''ہم جب بھی کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اُس سے بہتر یا اُسی جیسی (آیت) لے آتے ہیں۔ کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے؟''

تقریباً تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں ''نسخ'' سے مراد کسی حکم کا ختم یا زائل کرنا ہے۔ اس کے علاوہ متعدد آیات، احادیث اور آثار قرآن کریم میں نسخ پر دلالت کرتے ہیں۔

نسخ کی تعریف اور استعمال میں متقدمین اور متاخرین کا کچھ اختلاف بھی رہا ہے، جس کی بنا پر ان کے یہاں منسوخ آیات کی تعداد بھی مختلف ہو جاتی ہے۔ متقدمین کے یہاں لفظ ''نسخ'' ایک وسیع معنی کا حامل تھا، ان کے یہاں کسی عام حکم کی تخصیص یا مطلق کی تقیید وغیرہ بھی ''نسخ'' کے معنی میں آتے ہیں، اس کے برعکس متاخرین صرف اس صورت کو منسوخ قرار دیتے ہیں، جس میں کسی سابقہ حکم کو بالکلیہ ختم کر دیا گیا ہو۔

اس فرق کی وجہ سے متقدمین کے یہاں منسوخ آیات کی تعداد زیادہ تھی، جبکہ متاخرین کے یہاں یہ تعداد کافی کم ہے۔ متقدمین کے یہاں آیاتِ منسوخہ پانچ سو تک شمار کی گئی ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (ت:۹۱۱ھ) نے ''الإتقان'' میں غور کر کے منسوخ آیات کی تعداد اکیس بتائی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (ت:۱۱۷۶ھ) نے ان میں تطبیق دے کر صرف پانچ آیات کو منسوخ فرمایا۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ پانچ آیاتِ منسوخہ اس صورت کی ہیں، جس میں ناسخ اور منسوخ دونوں قرآن مجید میں موجود ہیں، اس کے علاوہ قرآن کریم میں ایسی بہت سی آیات ہیں جن میں ناسخ تو موجود ہے، لیکن منسوخ موجود نہیں، مثلاً تحویلِ قبلہ کی آیات، وغیرہ۔

علوم القرآن میں ناسخ ومنسوخ کا عنوان اور موضوع اپنی اہمیت کے پیشِ نظر ہمیشہ مختلف جہات سے علماء کرام کے زیرِ بحث رہا ہے۔ نسخ کی لغوی واصطلاحی تعریف، منسوخ آیات کی تعداد، نسخ الاحکام اور نسخ الاخبار، نسخ القرآن بالقرآن، نسخ القرآن بالسنۃ اور اس طرح کے دیگر عنوانات پر علماء کرام نے علوم و معارف کے دریا بہا دیے، اس موضوع پر مستقل کتب اور رسائل لکھے گئے، جن میں چند اہم کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱: الناسخ والمنسوخ في كتاب الله، مروي عن قتادة بن دعامة السدوسي (ت:۱۱۷ھ)

۲: الناسخ والمنسوخ، المنسوب لمحمد بن مسلم الزهري (ت:١٢٤هـ)

۳: الناسخ والمنسوخ في القرآن العزيز، أبو عبيد القاسم بن سلام الهروي (ت: ٢٢٤ هـ)

٤: الناسخ والمنسوخ في القرآن الكريم، أبو عبد الله محمد بن حزم الأندلسي (ت:٣٠هـ)

٥: الناسخ والمنسوخ في كتاب الله عزوجل، أحمد بن محمد بن إسماعيل النحاس (ت: ٣٣٨هـ)

٦: الناسخ والمنسوخ، هبة الله بن سلامة المقري (ت: ٤١٠ هـ)

٧: الناسخ والمنسوخ في القرآن، عبد القاهر بن طاهر البغدادي (ت: ٤٢٩ هـ)

٨: الإيضاح لناسخ القرآن ومنسوخه، مكي بن أبي طالب القيسي (ت: ٤٣٧هـ)

٩: نواسخ القرآن، عبد الرحمٰن بن علي الجوزي (ت: ٥٩٧هـ)

١٠: الناسخ والمنسوخ، أبو منصور البغدادي (ت: ٧٥١ هـ)

١١: ناسخ القرآن و منسوخه، علي بن شهاب الدين الهمداني (ت: ٧٨٦ هـ)

١٢: الآيات المنسوخة في القرآن الكريم، عبد الله بن محمد الأمين الشنقيطي

اردو زبان میں اس موضوع پر کتبِ تفاسیر اور علوم القرآن پر مشتمل کتابیں دیکھی جاسکتی ہیں، جن میں دیگر موضوعات پر کلام کرتے ہوئے اس موضوع کو بھی بڑی خوش اسلوبی اور تسلی بخش دلائل سے سمجھایا گیا ہے۔ سرِدست ہم یہاں ان تین مستند کتابوں کے نام درج کیے دیتے ہیں، جن میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے:

۱-''فہم قرآن''از مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ (متوفیٰ: ۱۴۰۵ھ)(۱)

۲-''آثار التنزیل''از علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ (متوفیٰ: ۱۴۴۱ھ)(۲)

۳-''علوم القرآن''از مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ(۳)

میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی

عالمِ اسلام کے جلیل القدر صوفی بزرگ اور عظیم مبلغِ اسلام حضرت میر سید علی ہمدانیؒ ۱۲/رجب المرجب ۷۱۴ ہجری کو ایران کے شہر ہمدان میں پیدا ہوئے۔ میر سید علی ہمدانیؒ ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے ماموں سید علاء الدینؒ کے زیرِ سایہ حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے دیگر شیوخ کے ساتھ ساتھ شیخ محمود مزدقانیؒ اور شیخ علاء الدولۃ سمنانیؒ سے بھی بھرپور استفادہ کیا۔ میر سید علی ہمدانیؒ نے

اپنی زندگی کا ایک خاصا وقت سیاحت میں گزارا، جس کے دوران آپ نے دنیا کے بہت سے ممالک کا دورہ کیا اور کئی لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ کشمیر میں اگرچہ آپ کی آمد سے پہلے بھی اسلام اور مسلمانوں کے نشان ملتے ہیں، لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آپ کی مبارک تشریف آوری نے وادیِ کشمیر میں اسلام کی روح کو ایک نئی تازگی بخشی۔ آپ نے ہزاروں لوگوں کو جہاں مشرف بہ اسلام کیا، وہیں آپ نے اُس وقت کی حکومت پر بھی ایک اچھا خاصا اثر چھوڑا۔

وفات

۶/ذوالحجہ ۷۸۶ ہجری کو میر سید علی ہمدانیؒ اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔ آپ کا مزار ختلان (ایران) میں موجود ہے۔ شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانیؒ کے تفصیلی حالات جاننے کے لیے ڈاکٹر شمس الدین احمد کی مفصل کتاب ''شاہِ ہمدان، حیات اور کارنامے'' کا مطالعہ فائدہ مند رہے گا۔

تصانیف

میر سید علی ہمدانیؒ دینِ اسلام کے ایک عظیم داعی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک باکمال مصنف بھی تھے۔ آپ کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد سو سے زائد بتائی جاتی ہے۔ آپ کی چند مشہور کتابوں اور رسائل کے نام درج ذیل ہیں:

۱-ذخیرۃ الملوک	۲-رسالہ دہ قاعدہ	۳-شرح اسماء الحسنی
۴-مشارب الاذواق	۵-مرآۃ التائبین	۶-رسالہ ذکریہ
۷-رسالہ تلقینیہ	۸-رسالہ در بیانِ اعتقاد	۹-رسالہ درویشیہ

۱۰-ناسخ القرآن و منسوخہٗ، وغیرہم

رسالہ ناسخ القرآن و منسوخہ

میر سید علی ہمدانیؒ کو قرآن کریم سے بے حد لگاؤ تھا۔ آپ بچپن میں ہی قرآن کریم حفظ کر چکے تھے۔ آپ اپنی تصانیف میں جگہ جگہ قرآنی آیات سے استدلال کرتے نظر آتے ہیں۔ آپ نے جو خطوط مختلف لوگوں کو لکھے، وہ بھی قرآنی آیات سے مزین ہیں۔ اسی قرآنی شوق و ذوق کے پیشِ نظر میر سید علی ہمدانیؒ نے ناسخ و منسوخ کے موضوع پر ایک مختصر رسالہ اپنے مریدین اور شاگردوں کی یاد دہانی کے لیے لکھا۔

رسالے کا نام

اس رسالے کا ذکر کتابوں میں رسالہ ''الناسخ والمنسوخ في القرآن الكريم''، رسالہ

’’ناسخ القرآن و منسوخه‘‘ اور رسالہ ’’ناسخ ومنسوخ‘‘ کے نام سے ملتا ہے، لیکن چونکہ خود میر سید علی ہمدانیؒ نے رسالے کے شروع میں لفظ ’’ناسخ القرآن و منسوخه‘‘ استعمال کیا ہے، اسی لیے زیادہ تر محققین اس کو اسی نام سے ذکر کرتے ہیں۔

مندرجات

یہ مختصر رسالہ شاہِ ہمدان میر سید علی ہمدانیؒ نے اپنے متعلقین کی یاددہانی کے لیے لکھا ہے، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ:

’’فهٰذا ما جمعته من ناسخ القرآن و منسوخه تذكرةً للطالبين مستوفقًا من الله و مستعينًا به، إنهٗ خير موفق و معين .‘‘

لہٰذا آپ نے اس رسالے میں قرآن کریم کی ناسخ ومنسوخ آیات کا صرف تذکرہ کیا ہے اور مختصراً صحابہؓ وتابعینؒ کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی بات کو مضبوط کیا ہے۔ آپ نے سینتیس سے زائد آیات پر کلام کیا ہے، لیکن آپ نے تفصیل کے بجائے اختصار کے دامن کو تھامے رکھنا زیادہ پسند فرمایا۔ میر سید علی ہمدانیؒ نے اپنے اس رسالے میں جن اکابر مشاہیر کا حوالہ دیا ان اہلِ علم کے اسماء درج ذیل ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، امام سعید بن مسیبؒ، امام سعید بن جبیرؒ، امام عامر بن شراحیل الشعبیؒ، امام عطاء بن ابی رباحؒ، امام عکرمہ بن عبداللہؒ، امام مجاہد بن جبرؒ، امام مکحول بن ابی مسلمؒ، امام ضحاک بن مزاحم اللآلیؒ، امام عطاء بن ابی مسلم الخراسانیؒ، امام محمود بن عمر الزمخشری، امام رفیع بن مہران الریاحیؒ (ابی العالیۃ)۔

سید فاروق بخاری صاحبؒ اس رسالے کا تعارف پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’حضرت میر سید علی ہمدانیؒ کی تصانیف میں یہ رسالہ بھی دست بردِ زمانہ سے محفوظ رہا ہے۔ انڈیا آفس اور مرکزی دانشگاہ طہران کے کتاب خانوں میں اس کے نسخے موجود ہیں۔ اس رسالے میں شیخ ہمدانیؒ نے قرآن کے مسئلہ ناسخ ومنسوخ سے بحث کی ہے۔ ہم نے اس کے اقتباس پڑھے ہیں، جن کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اس میں کوئی نئی بات نہیں کہی گئی ہے۔ مؤلف نے اپنے تلامذہ اور صاحبِ علم ارادت مندوں کی تفہیم کے لیے یہ رسالہ لکھا ہے، اور متقدمین ہی سے خوشہ چینی کی ہے۔‘‘(۴)

یہ بات صحیح ہے کہ شاہ ہمدانؒ نے اس رسالے میں متقدمین سے ہی خوشہ چینی کی ہے، لیکن کئی مقامات پر میر سید علی ہمدانیؒ منفرد بھی نظر آتے ہیں، شیخ خالد حسین اسماعیل نے ایسے ۲۷ مقامات کی نشاندہی

کی ہے۔ (۵)

سیدہ اشرف ظفر صاحبہ شاہ ہمدانیؒ کے اس رسالے کے بارے میں فرماتی ہیں:

''اس رسالہ میں آپ کلام مجید کی آیات کے نسخ ومنسوخ کے مسئلہ کی وضاحت فرماتے ہوئے چند نسخ آیات زیرِ بحث لائے ہیں۔اس مجموعے میں اکثر آیات جہاد،عبادات،قتال اوراوامر ونواہی کے بارے میں ہیں۔''(۶)

رسالے کا ماخذ

اگرچہ شاہ ہمدانیؒ نے اپنے اس رسالے میں صرف ایک مرتبہ علامہ زمخشری کا ذکر کیا ہے،لیکن تفسیر کشاف دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ہمدانیؒ نے اس رسالے کی تیاری میں تفسیر کشاف سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور بیشتر چیزیں اسی سے نقل کی ہیں۔

رسالے کی نسبت

یہ رسالہ بلاشبہ میر سید علی ہمدانیؒ کا ہی ہے، ہماری اس بات پر ذیل میں شواہد پیش کیے جاتے ہیں:

۱- میر سید علی ہمدانیؒ کے تقریباً تمام تذکرہ نگاروں نے اس رسالے کی نسبت آپ کی طرف کی ہے۔مخطوطات کی فہرستوں میں بھی اس رسالے پر بطور مصنف میر سید علی ہمدانیؒ کا ہی نام لکھا ہے۔

۲-شاہِ ہمدانیؒ نے اس رسالے کے شروع میں اپنا نام خود اس طرح لکھا ہے:

''فيقول العبد الفقير إلى الله الغني الجاني علي بن شهاب الهمداني عفا الله عنه بكرمهٖ و وفقهٖ لشكر نعمهٖ .''

میر سید علی ہمدانیؒ نے اپنی کچھ تصانیف مثلاً ''ذخيرة الملوك'' اور ''مشارب الأذواق'' میں بھی اسی طرح شروع میں اپنا نام لکھا ہے،جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ رسالہ بھی ان کا ہی ہے۔

۳- یہ رسالہ ہندوستان کے مشہور اہلِ حدیث عالم مولانا نواب صدیق حسن خان بھوپالیؒ کے زیر مطالعہ رہا ہے اور انہوں نے بھی اس کی نسبت میر سید علی ہمدانیؒ کی طرف ہی کی ہے۔نواب صاحب مرحوم نے تین جگہ پر اس رسالے کا ذکر اپنی کتاب ''إفادة الشيوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ'' میں کیا ہے۔

مولانا نواب صدیق حسن خان بھوپالیؒ ناسخ ومنسوخ پر کتابیں لکھنے والوں کا تعارف پیش کرتے ہوئے ان میں ایک نام ''علی ہمدانی'' بھی ذکر کرتے ہیں۔ (۷)

آیت: ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا

بِبَعۡضِ مَاۤ اٰتَیۡتُمُوۡهُنَّ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ فَاِنۡ كَرِهۡتُمُوۡهُنَّ فَعَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَیۡـًٔا وَّیَجۡعَلَ اللّٰهُ فِیۡهِ خَیۡرًا كَثِیۡرًا '' (النساء ۱۹) کے متعلق نواب صدیق حسن خان بھوپالیؒ لکھتے ہیں کہ:

''ولهٰذا ابن عباسؓ گفته: "هي محكمة لم تنسخ" ذكره علي الهمداني في ناسخه.''(۸)

یہاں مولانا نواب صدیق حسن خان بھوپالیؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو شاہِ ہمدان میر سید علی ہمدانیؒ کے رسالہ ''ناسخ القرآن و منسوخه'' سے نقل کیا ہے۔ یہ قول شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانیؒ نے اپنے رسالے میں اس آیت کے تحت لکھا ہے۔ میر سید علی ہمدانیؒ لکھتے ہیں:

''و عن ابن عباسؓ، هي محكمة يعني لم تنسخ.''(۹)

اسی طرح نواب صدیق حسن خان بھوپالیؒ آیت ''وَالَّذِیۡنَ یَكۡنِزُوۡنَ الذَّهَبَ وَالۡفِضَّةَ وَلَا یُنۡفِقُوۡنَهَا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ '' (التوبۃ: ۳۴) کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''علي همداني گفته اصح آن است كه منسوخ نيست.''(۱۰)

یہاں بھی نواب صاحبؒ نے میر سید علی ہمدانیؒ کے رسالے سے ہی دلیل پیش کی ہے۔ یہ بات اس آیت کے تحت میر سید علی ہمدانیؒ نے اپنے رسالے میں لکھی ہے، چنانچہ میر سید علی ہمدانیؒ لکھتے ہیں کہ:

''والأصح أنها لم تنسخ.''(۱۱)

مخطوطات

شاہِ ہمدانؒ کے اس رسالے کے مخطوطات باقی رسائل کے مقابلے میں نادر و نایاب ہیں، راقم الحروف کی معلومات کی حد تک اس کے درج ذیل مخطوطات ہیں:

۱- سید محمد حسین جلالی کے بقول اس کا ایک مخطوطہ مکتبہ آستان قدس رضوی، قم (ایران) میں مجموعہ نمبر ۵۹۹ کے اندر صفحہ ۶۹ سے ۷۷ تک شامل ہے، جس کی کتابت ۸۸۱ ہجری میں ہوئی ہے۔(۱۲)

۲- نسخہ مکتبہ برٹش میوزیم، انڈیا آفس لندن رقم IO (Delhi ۹۸۱) ۴۳۱۴

۳- مکتبہ دار الکتب الظاہریۃ مصر میں ایک نسخہ رقم مجموعہ: ۴۴۲۵، صفحہ: ۶۷ سے ۷۷ تک موجود ہے، جس کو تاج الدین محمد بن زہرۃ الحسینی الحلبی نے ۹۰۷ ہجری میں لکھا ہے۔

۴- مکتبہ پرنسٹن یونیورسٹی مجموعہ جاریت، رقم B۳۴۲ (رقم تسلسل: ۲۰۱۵) میں ایک نسخہ صفحہ: ۲۰۷ سے ۲۰۹ تک شامل ہے، جس کو ابن محمد شریف خاتون آبادی نے ۱۰۲۸ ہجری میں لکھا ہے۔

۵-نسخہ مکتبہ آستان قدس رضوی، قم (ایران) رقم مجموعہ: ۳۳۷۵۹

۶-مکتبہ آستان قدس رضوی لائبریری میں ایک اور نسخہ رقم: ۶۷۵۷ پر موجود ہے جو ۱۰۸۸ ہجری میں لکھا گیا ہے۔

۷-مکتبہ آستان قدس رضوی میں ہی رقم ۱۹۱۰۳ پر ایک اور نسخہ بھی موجود ہے جو ۱۲۳۳ ہجری میں لکھا گیا ہے۔

۸-نسخہ مکتبہ مجلس شورای اسلامی ایران، رقم مجموعہ: ۱۸۳۱۳ صفحہ: ۵۸ سے ۵۹ تک۔ اس کی کتابت ۱۲۶۰ ہجری میں ہوئی ہے۔

۹-نسخہ مکتبہ مجلس شورای اسلامی ایران رقم مجموعہ: ۱۲۹۷، صفحہ: ۷۴ تا ۷۹۔

۱۰-نسخہ مکتبہ اماسیا بایزید ترکی، رقم: Ba۰۵۵۱۹

۱۱-نسخہ مکتبہ تہران یونیورسٹی، رقم: ۲۸۳۰

۱۲-نسخہ مکتبہ تہران یونیورسٹی، رقم: ۱۲۹۷

۱۳-نسخہ مکتبہ تہران یونیورسٹی، رقم: ۳۹۱۶

۱۴-نسخہ مکتبہ تہران یونیورسٹی، رقم: ۱۶۶۷

۱۵-نسخہ مکتبہ لینن گراڈ روس، رقم: B۲۲۸۴۲۰۰

۱۶-نسخہ مکتبہ متحف الآسیوی (مجموعہ بخاری) رقم: ۱۰۸۰

۱۷-مکتبہ آیت اللہ مرعشی ایران، قم میں ایک نسخہ رقم: ۸۳۲۱ پر موجود ہے، جس کی کتابت ۱۲۵۲ ہجری میں ہوئی ہے۔

۱۸-مکتبہ آیت اللہ مرعشی میں ہی دوسرا نسخہ رقم: ۱۱۳۵۷ پر موجود ہے۔

۱۹-مکتبہ گلپایگانی قم میں رقم ۴۶۷۱ پر یہ رسالہ موجود ہے۔

۲۰-مکتبہ گلپایگانی قم میں ایک اور نسخہ رقم: ۸۴۷۶ پر موجود ہے۔

۲۱-مکتبہ فیضیہ قم میں ایک نسخہ رقم: ۸۴۷ پر موجود ہے۔

۲۲-مکتبہ دانشگاہ اصفہان میں ایک نسخہ رقم: ۳۶۱ پر موجود ہے جو ۱۲۲۸ ہجری میں لکھا گیا ہے۔

۲۳-مکتبہ ملی تہران میں ایک نسخہ رقم: ۴۶۳۴ پر موجود ہے جو ۱۳۶۹ ہجری میں لکھا گیا ہے۔

۲۴-مکتبہ آران کاشان: محمد ہلال، میں ایک نسخہ رقم: ۱۷ پر موجود ہے۔

مطبوعہ نسخے

یہ رسالہ ہماری معلومات کے مطابق تین بار شائع ہوا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱-اس رسالے کو محمد جواد النجفی نے اپنی تحقیق سے شائع کیا ہے۔ تلاش کے باوجود یہ ایڈیشن ہمیں دستیاب نہ ہوسکا۔

۲-شیخ حاتم صالح الضامن نے ۲۰۱۱ء میں مجلہ آفاق (مرکز جمعۃ الماجد) کے شمارہ نمبر:۳۷ میں اس رسالے کو اپنی تحقیق سے شائع کیا۔ اس میں انہوں نے دار الکتب الظاہریۃ مصر (رقم:۴۴۲۵) کے نسخے کو پیش نظر رکھتے ہوئے متن کی تصحیح کی ہے۔

۳-یہ رسالہ شیخ خالد حسین اسماعیل کی تحقیق سے ۲۰۲۱ء میں ''مجلة البحوث الأكادمية'' شمارہ نمبر:۱۷ میں بھی شائع ہو چکا ہے، جس میں محقق نے مکتبہ آستان قدس رضوی (رقم:۳۳۷۵۹)، مکتبہ دار الکتب الظاہریۃ (رقم:۴۴۲۵) اور مکتبہ پرنسٹن یونیورسٹی (رقم جاریت B۳۴۲) کو پیش نظر رکھتے ہوئے متن کی تصحیح کی ہے۔

حوالہ جات

(۱) مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ، فہم قرآن، ادارہ اسلامیات، لاہور، صفحہ:۵۴

(۲) علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ، آثار التنزیل، دار المعارف لاہور، صفحہ:۴۳۵

(۳) مفتی محمد تقی عثمانی، علوم القرآن، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، صفحہ:۱۶۵

(۴) سید فاروق بخاریؒ، کشمیر میں عربی علوم اور اسلامی ثقافت کی اشاعت، بخاری منزل، سرینگر، صفحہ:۱۶۵

(۵) مجلہ البحوث الاکادمیۃ، شمارہ نمبر:۱۷، سال ۲۰۲۱ء

(۶) سیدہ اشرف ظفر، امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ، ندوۃ المصنفین، لاہور، صفحہ:۲۹۳

(۷) مولانا نواب صدیق حسن خان بھوپالیؒ، افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ، مطبع محمدی، لاہور، صفحہ:۳

(۸) مولانا نواب صدیق حسن خان بھوپالیؒ، افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ، مطبع محمدی، لاہور، صفحہ:۳۶

(۹) رسالہ ناسخ القرآن ومنسوخہ، مخطوط

(۱۰) مولانا نواب صدیق حسن خان بھوپالیؒ، افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ، مطبع محمدی، لاہور، صفحہ:۵۰

(۱۱) رسالہ ناسخ القرآن ومنسوخہ، مخطوط

(۱۲) سید محمد حسین الحسینی الجلالی، فہرس التراث، دار الولاء، صفحہ:۴۱۱

پڑوسی کے حقوق
(ارشاداتِ نبویہ کی روشنی میں)

مفتی ابوالخیر عارف محمود
دارالتصنیف مدرسہ فاروقیہ، گلگت

پڑوسی وہمسایہ کے حقوق کے بارے میں آج کل بہت کوتاہی دیکھنے میں آرہی ہے، حالاں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے اپنے متعدد فرامین وارشادات میں نہ صرف تاکید فرمائی ہے، بلکہ کئی نوعیت کے حقوق کو الگ الگ عنوانات سے بھی بیان فرمایا ہے، ذیل میں ارشاداتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں پڑوسی کے حقوق کا ایک سرسری جائزہ لیتے ہیں، تاکہ ان ارشادات کی روشنی میں مسلمان پڑوسی کے حقوق ادا کرنے والے بن جائیں۔

پڑوسی کے حقوق کی تاکیدی وصیت

’’عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ما زال جبريل يوصيني بالجار حتى ظننت أنه سيورثه."‘‘(۱)

’’حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جبرائیل (علیہ السلام) مجھے پڑوسی کے حق کے بارے میں اس قدر وصیت کرتے رہے کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ وہ پڑوسی کو وارث بنادیں گے۔ ایسی ہی ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔‘‘(۲)

غیر مسلم پڑوسی کو ہدیہ دینا

اسی روایت کے ایک طریق میں آیا ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ وہ غیر مسلم پڑوسی کو ہدیہ بھیجیں، ملاحظہ فرمائیں:

’’عن عمرو بن شعيب عن أبيه رضي الله عنه قال : "ذُبِحتْ شاة لابن عمرو في أهله، فقال : أهديتم لجارنا اليهوديّ؟ قالوا : لا، قال : ابعثوا إليه منها، فإني سمعتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول : "ما زال جبريل يوصيني بالجار، حتى ظننت أنه سيورثه.‘‘(۳)

’’عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک بکری ذبح کی گئی (پھر جب آئے تو) انہوں نے کہا تم نے ہمارے یہودی ہمسایہ کو ہدیہ بھیجا؟ گھر والوں نے کہا کہ: نہیں، آپ نے فرمایا کہ اس بکری کے گوشت میں سے اسے کچھ بھیجو، اس لیے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ جبریل ہمیشہ مجھے ہمسایہ کے ساتھ احسان کرنے کی وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ اس کو وارث کردیں گے۔‘‘

پڑوسی کو تکلیف دینے کی ممانعت

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اور آخرت پہ ایمان رکھنے والوں کو پڑوسی کو نہ صرف تکلیف دینے سے منع فرمایا ہے، بلکہ اس کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

’’عن أبي هريرة رضي الله عنه اَنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : ’’من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جارهُ، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه ، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا اَو ليسكت.‘‘(۴)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ بھلائی کی بات کہے یا خاموش رہے۔‘‘

مسلم شریف کی ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:

’’فليحسن إلى جاره.‘‘(۵)

’’جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرے۔‘‘

اللہ کے نزدیک بہترین پڑوسی

ترمذی شریف کی ایک روایت میں اللہ کے نزدیک بہترین پڑوسی اس شخص کو قرار دیا گیا ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے بہتر ہو، ملاحظہ فرمائیں:

’’عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: "خير الأصحاب عند الله خيره لصاحبه، وخير الجيران عند الله خيرهم لجاره"‘‘(۶)

’’حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے بہتر دوست وہ ہے جو اپنے دوست کے لیے بہتر ہو اور اللہ کے نزدیک سب سے بہتر پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے بہتر ہو۔‘‘

اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت حاصل کرنے کا نسخہ

طبرانی کی ایک روایت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول تم سے محبت کریں تو اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو، ملاحظہ کیجیے:

’’عن أبي قراد السلمي رضي الله عنه قال: كنا عند رسول الله صلى الله عليه و سلم فدعا بطهور فغمس يدهٗ فيه، ثم توضأ فتتبعناه فحسوناه، فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم: "ما حملكم على ما صنعتم"؟ قلنا: حب الله ورسوله، قال: "فإن أحببتم أن يحبكم الله ورسوله فأدوا إذا ائتمنتم، وأصدقوا إذا حدثتم، وأحسنوا جوار من جاوركم."‘‘(۷)

’’حضرت عبدالرحمٰن ابو قراد سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے وضو کا پانی طلب فرمایا اور وضو کے پانی والے برتن میں ہاتھ مبارک ڈالا، پھر وضو فرمایا، ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی لے کر (اپنے چہرے اور جسموں پر) ملنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کون سی چیز تمہیں اس کام پر آمادہ کر رہی ہے؟ ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول تم سے محبت کریں تو جب کوئی امانت تمہارے پاس رکھوائی جائے تو اس کو ادا کرو اور جب بات کرو تو سچ بولو، اور اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو۔‘‘

جس کا پڑوسی بھوکا ہو، وہ کامل مؤمن نہیں

جانتے بوجھتے پڑوسی کو بھوکا رکھ کر خود پیٹ بھر کر سونا کمالِ ایمان کے خلاف ہے:

’’عن ابن عباس رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ’’ليس المؤمن بالذي يشبع وجاره جائع إلى جنبه.‘‘(۸)

’’حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’(کامل) مومن وہ نہیں ہوتا جو خود تو پیٹ بھر کے کھائے اور اُس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہے۔‘‘

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کو علم کے ساتھ مقید کیا کہ اس کو معلوم ہو کہ اس کا پڑوسی بھوکا ہے، پھر بھی وہ اس کی فکر نہ کرے تو وہ کامل مؤمن نہیں ہوسکتا، ملاحظہ کیجیے:

’’عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ’’ما آمن بي من بات شبعانًا وجارهُ جائعٌ إلٰى جنبه وهو يعلم به.‘‘(۹)

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: وہ شخص مجھ پر ایمان لانے والا نہیں ہوسکتا، (یعنی کامل مؤمن نہیں ہوسکتا) جو خود تو پیٹ بھر کر سوئے اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہے اور وہ یہ بات جانتا بھی ہو۔‘‘

قریب کا پڑوسی زیادہ حقدار ہے

’’عن عائشة رضي الله عنها أنها سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: إن لي جارين، فإلٰى أيهما أُهْدِي؟ قال: ’’إلٰى أقربهما منك بابًا.‘‘(۱۰)

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے کہا: یارسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں، ان میں سے پہلے میں کس کو حصہ بھیجوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا دروازہ تجھ سے زیادہ نزدیک ہو۔‘‘

ہمسایہ کے لیے سالن کا شوربا زیادہ کرنا

’’عن أبي ذر رضي الله عنه قال: إن خليلي أوصاني ’’إذا طبخت مرقًا فأكثر ماءهُ، ثم انظر أقرب أهل بيت من جيرانك، فأصبهم منها بمعروف.‘‘(۱۱)

’’حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے خلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی کہ جب تم سالن پکاؤ تو اس میں شوربا زیادہ رکھو، پھر اپنے قریبی ہمسایہ کے گھر والوں کو دیکھ کر (جو ضرورت

مند ہوں) اس میں کچھ اچھے طریقے سے انہیں بھیجو۔‘‘

پڑوسی ایک دوسرے کو ہدیہ دیں

پڑوسی ایک دوسرے کو ہدیہ لینے اور دینے کا اہتمام کریں، خواہ کوئی معمولی چیز ہی کیوں نہ ہو، ہلکا اور معمولی سمجھ کر ہدیہ کو حقیر نہ سمجھیں، خاص طور پر خواتین کو اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ ان کے جذبات بہت جلد متاثر ہوجاتے ہیں اور ان کا آبگینۂ محبت بہت جلد چور چور ہوجاتا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

’’عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ’’يا نساء المؤمنات! لا تحقرن جارة لجارتها، ولو فِرسن شاة.‘‘(۱۲)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لیے معمولی اور حقیر خیال نہ کرے، اگرچہ بکری کی کھری کا ہدیہ ہو۔‘‘

ترمذی شریف کی روایت میں ہدیہ کو دل کی کدورت دور کرنے کا سبب فرمایا ہے:

’’تهادوا، فإن الهدية تذهب وحر الصدر، ولا تحقرن جارة لجارتها ولو شق فرسن شاة.‘‘(۱۳)

’’تم ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو، اس لیے کہ ہدیہ دل کی کدورت دور کرتا ہے اور کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے ہدیہ کو معمولی اور حقیر خیال نہ کرے، اگرچہ بکری کے کھر کا ایک ٹکڑا ہو۔‘‘

پڑوسی کو تکلیف دینے اور نہ دینے والے کا انجام

’’عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رجلًا قال: يا رسول الله! إن فلانة ذكر من كثرة صلاتها غير أنها تؤذي بلسانها، قال: ”في النار“ قال: يا رسول الله! إن فلانة ذكر من قلة صلاتها وصيامها وإنها تصدقت بأثوار أقط، غير أنها لاتؤذي جيرانها، قال: ”هي في الجنة.‘‘ (۱۴)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! فلاں عورت کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ کثرت سے نماز، روزہ اور صدقہ خیرات کرنے والی ہے (لیکن) اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے تکلیف دیتی ہے (یعنی برا بھلا کہتی ہے)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ دوزخ میں ہے۔ پھر اس شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! فلاں عورت کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ نفلی روزہ، صدقہ خیرات اور نماز تو کم کرتی ہے، بلکہ اس کا صدقہ وخیرات پنیر کے چند ٹکڑوں سے آگے نہیں بڑھتا، لیکن اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے کوئی تکلیف نہیں دیتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ جنت میں ہے۔''

جس کے شر سے پڑوسی محفوظ نہ ہو

''عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "والله لايؤمن، والله لا يؤمن، والله لا يؤمن"، قيل: مَن يا رسول الله؟ قال: "الذي لا يأمن جارُه بَوائقَه.''(۱۵)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں ہوسکتا، اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں ہوسکتا، اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں ہوسکتا، پوچھا گیا کہ کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی ایذا رسانی سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔''

مسلم شریف کی روایت میں ہے:

''لا يدخل الجنة من لا يأمن جارهٗ بوائقه.''(۱۶)

یعنی ''وہ جنت نہیں جائے گا جس کی ایذا رسانی سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔''

حوالہ جات

۱:-أخرجه البخاري في صحيحه برقم :٦٠١٥، ومسلم في صحيحه برقم :٢٦٢٥
۲:-أخرجه البخاري في صحيحه برقم :٣٣٠٧
۳:-أخرجه أبو داود في سننه برقم :٥١٥٢، والترمذي في سننه برقم :١٩٤٣
٤:-أخرجه البخاري في صحيحه برقم :٦٠١٨
٥:- أخرجه مسلم في صحيحه برقم :١٨٤، ١٨٥
٦:- أخرجه الترمذي في سننه برقم :١٩٤٤
٧:- أخرجه الطبراني في الأوسط برقم :٦٥١٧، قال الهيثمي في مجمع الزوائد (٤/ ٢٥٧: رواه الطبراني في الأوسط، وفيه عبيد بن واقد القيسي وهو ضعيف
٨:- أخرجه البخاري في الأدب المفرد برقم :١١٢، وأبو يعلى برقم :٢٦٩٩، والطبراني برقم :١٢٧٤١، وقال الهيثمي في المجمع (١٦٧/ ٨: رجاله ثقات
٩:- أخرجه الطبراني في الكبير برقم :٧٥١
١٠:- أخرجه البخاري في صحيحه برقم :٥٦٧٤، وأبو داود برقم :٥١٥٥
١١:- أخرجه مسلم في صحيحه برقم :٢٦٢٥
١٢:- أخرجه البخاري في صحيحه برقم :٢٥٦٦، ٦٠١٧، ومسلم في صحيحه برقم :١٠٣٠
١٣:- أخرجه الترمذي في سننه برقم :٢١٣٠
١٤:- أخرجه ابن حبان في صحيحه برقم :٥٧٦٤
١٥:- أخرجه البخاري في صحيحه برقم :٥٦٧٠
١٦:- أخرجه مسلم في صحيحه برقم :٤٦

.....❀.....❀.....❀.....

سرزمینِ فلسطین (اہمیت وفضیلت)
قرآن وحدیث کی روشنی میں (پہلی قسط)

مولانا محمد ارشد خان
فاضل دار العلوم دیوبند (وقف)، انڈیا

سرزمینِ فلسطین کو اللہ تعالیٰ نے خاص مقام واہمیت سے نوازا ہے، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی وہاں بعثت وتشریف آوری نے اس سرزمین کو مزید جاذبِ نظر، خوش نما اور پرکشش بنادیا اور ان کی توجہات نے اس کی رفعت کو چار چاند لگادیے، کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی شخصیت مخزنِ خیر اور منبع برکات ہوتی ہے، اگر وہ کسی بنجر زمین میں بھی پہنچ جائیں تو وہ اُن کی برکت سے سبزہ زار ہوجائے، سنگلاخ علاقے سے گزریں تو اسے سرسبز و شاداب بنادیں، خارستان میں اپنے قدم میمنت لزوم رکھیں تو اسے گلستان بنادیں:

بر زمینے کہ نشان کفِ پائے تو بود
تا ابد سجدہ گہ اہلِ نظر خواہد بود

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ ''حسن المکان بالمکین''، یعنی مکان کا حسن مکین سے ہے، نیز اگر مکین صاحبِ کمالات ہو تو مکان بھی دیگر مکانات میں ممتاز اور نمایاں ہوجاتا ہے، جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دارالہجرت مدینہ منورہ کو بنایا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ساری انسانیت پر نہ صرف فائز بلکہ سببِ تخلیقِ کائنات تھے، تو مدینہ منورہ کو جو فضیلت حاصل ہوئی تو وہ اہلِ علم پر آفتاب نیم روز سے زیادہ واضح اور روشن ہے، حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری آرام گاہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک روضۂ اطہر کی جس زمین مبارک سے مس ہے وہ حصہ ساری کائنات حتیٰ کہ بیت اللہ اور عرش وکرسی سے بھی افضل ہے۔ مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی رحمۃ اللہ علیہ ''المہند'' میں فرماتے ہیں کہ:

''فإنّ البقعة الشريفة والرحبة المنيفة التي ضمت أعضاءهٗ أفضل مطلقاً، حتى من الكعبة ومن العرش والكرسي كما صرح به فقهاؤنا رضي الله عنهم.''

(المهند على المفند، ت: مفتي محمد بن آدم الكوثري، ص:٤٧، وكذا قاله علي القاري، انظر إلى إرشاد الساري إلى مناسك علي القاري، ص: ٧٤٧)

خلاصہ یہ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی سرزمینِ فلسطین میں سکونت اورقربت نے اسے انوار وبرکات کا جامع اورنہایت ہی مقدس بنادیا۔

سرزمینِ فلسطین کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ مسجد اقصیٰ کے قیام کے لیے جگہ کا انتخاب بھی اسی سرزمین کا ہوا، جوکہ تمام سابقہ انبیاء علیہم السلام کا قبلہ رہا اور اوائلِ اسلام میں مسلمانوں کا بھی وہی قبلہ تھا، پھر بحکمِ خداوندی ہمیشہ کے لیے بیت اللہ کوقبلہ مقرر کردیا گیا۔

نیز سرزمینِ فلسطین ایک تاریخی خطہ رہا ہے، اس سے نہ صرف جغرافیائی تاریخ وابستہ ہے، بلکہ دینی و اسلامی تاریخ کا ایک بڑا حصہ بھی اس کے دامن سے وابستہ ہے۔بعض تفسیری روایات میں ہے کہ صخرۂ بیت المقدس (اس سے وہ پتھر مراد ہے کہ سفرِ معراج میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس تشریف لے گئے تھے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے براق کی رسی اسی پتھر سے باندھی تھی) سے ہی دنیا میں میٹھے پانی کا سلسلہ قائم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۵/۳۵۳)

قرآن کریم میں ارضِ مقدسہ اوراس کی برکات کا ذکر، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے متعلق پیش گوئیاں، بشارتیں اور دعائیں اس کی اہمیت اورعظمت کوآشکارا کرتی ہیں، لہٰذا فلسطین کی عظمت واہمیت کوقرآن وحدیث سے آشکارا کرنا اوراسے منصۂ شہود پرلانا یہ اہلِ علم کا وظیفہ ہے، راقم الحروف ذیل میں چندسطریں لکھنے کی کاوش کررہا ہے۔اولاً تمہید کے طور پرذیل میں چند باتیں ملاحظہ فرمائیں:

عہدِ نبوی کا شام وفلسطین

واضح رہے کہ فلسطین عہدِ نبوی میں جغرافیائی لحاظ سے ملک شام کا ایک مستحکم حصہ تھا، بعد میں اس میں تبدیلی آتی گئی، خلافتِ عثمانیہ کے دور میں سن ۱۶۰۰ء تک فلسطین شام میں داخل تھا، پھر ۱۶۱۴ء میں دوحصوں میں منقسم ہوگیا، نصف بیروت اورنصف شام کا حصہ بن گیا، بعدازاں جب ۱۸۶۵ء میں سوریہ کا وجودعمل میں آیا توقدس وغیرہ کوسوریہ میں داخل کردیا گیااوراب فلسطین کا بیشتر حصہ اسرائیل کے ناجائز قبضے میں ہے۔

''معجم البلدان'' مترجم میں ہے: ''فلسطین: یہ کبھی شام کا ایک صوبہ تھا، لیکن آج کل یہ ایک الگ ملک ہے، جس کا بیشتر حصہ اسرائیل کے تحت ہے اور کچھ اردن کا حصہ ہے۔اس کی حدود یہ ہیں: شمالاً جنوباً: اندازاً دوسومیل، شرقاً غرباً: زیادہ سے زیادہ نوے میل، مشرق میں: اردن، مغرب میں: بحیرہ روم، شمال میں: لبنان، جنوب میں: صحرائے سینا۔اس کے بڑے بڑے شہر یہ ہیں: بیت المقدس، طبریہ، رملہ، غزہ، عسقلان،

جافہ، تل ابیب، عکہ، خلیل، نابلس۔'' (معجم البلدان مترجم:۲۶۲)

سرزمینِ شام میں ہے کہ:

''اسلامی دور میں شام کی حدود جنوبی ترکی سے شمالی سعودی عرب تک وسیع تھی اور اس میں موجودہ شام کے علاوہ ترکی کے جنوبی شہر (مصیصہ، حران، الرہا، دیار بکر، طرسوس، اضنہ اور انطاکیہ)، لبنان، اردن اور فلسطین شامل تھے۔ تبوک تک کا سعودی علاقہ بھی شام کا حصہ شمار ہوتا تھا۔''

(فضائل الشام مترجم، ص:۱۱)

''تحفة الألمعي'' میں ہے کہ:

''ملک شام کے اب چار ملک بن گئے ہیں: ۱-سوریہ: جس میں دمشق، حمص، حمات اور حلب واقع ہیں، ۲-لبنان، ۳- اردن جس میں عمان اور خلیج عقبہ ہیں، ۴-فلسطین جس میں قدس اور غزہ ہیں۔'' (تحفۃ الالمعی:۵/۵۷۰)

آمدم برسر مطلب: لہٰذا کتاب وسنت میں فلسطین کے جو فضائل ومناقب بیان ہوئے ہیں وہ تو بالکل بجا اور برمحل ہیں، البتہ جو فضائل شام کے ساتھ خاص ہیں وہ بھی بلاتردد فلسطین کو شامل ہیں، لہٰذا فلسطین کے حوالے سے ذیل میں جو فضائل نقل کیے جائیں گے وہ یا تو بلاواسطہ ہوں گے یا بالواسطہ۔

صاحبِ ''أربعون'' ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''وقد يتساءل البعض أن جملة من الأحاديث في هٰذا الكتاب جاءت بذكر الشام وليس فلسطين وهنا تجدر الإشارة إلى أن فلسطين كلها جزء طبيعي أصيل داخل في بلاد الشام.'' (الأربعون، ص: ۹)

اب ذیل میں فلسطین کے فضائل اور بابرکت تذکرہ پر قرآن وحدیث کی ضیاء پاشی ملاحظہ فرمائیں:

ذکرِ فلسطین در کلامِ رب العالمین

❶: سفرِ معراج اور سرزمینِ فلسطین

سورۂ اسراء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ'' (الاسراء:۱)

ترجمہ: ''وہ پاک ذات ہے جو اپنے بندہ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو شب کے وقت مسجد حرام

(یعنی مسجد کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا۔'' (ترجمہ بیان القرآن از حضرت تھانویؒ)

حضور اکرم ﷺ قبل ہجرت جب سفرِ معراج پر تشریف لے گئے تو سفر کے آغاز اور سفر کی انتہا میں آپ ﷺ کو بیت المقدس فلسطین سے گزارا گیا، آپ نے وہاں حضرات انبیاء علیہم السلام کی امامت بھی فرمائی (عند البعض حضور ﷺ نے معراج پر تشریف لے جاتے وقت اور واپسی میں دونوں موقع پر امامت فرمائی۔)(۱) بیت المقدس چونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا مسکن ومرکز اور ان کے فیوض وبرکات کا سرچشمہ رہا ہے تو حضور اکرم ﷺ کو وہاں پہنچا کر وہاں کے سارے انوار وبرکات کا جامع وحامل بنادیا گیا۔(۲) لہٰذا معراج جیسے عظیم الشان اور فقید المثال سفر میں حضور اکرم ﷺ کا بیت المقدس فلسطین تشریف لے جانا اس کی اہمیت وعظمت کو آشکارا کرتا ہے۔

''شرح مشکل الآثار''میں ہے:

''عن أنس بن مالك أن رسول الله ﷺ لما جاء بيت المقدس في الليلة التي أسري بهٖ إليه فيها، بُعِثَ لهٗ آدم، ومَنْ دُونَهٗ من الأنبياء، وأَمَّهُمْ رسولُ الله.''

(شرح مشكل الآثار: ۱۲/ ۵۳۸ رقم الحديث: ۵۰۰۹)

ترجمہ:''رسول اللہ ﷺ جب بیت المقدس میں تشریف لائے، اس رات جبکہ آپ کو اُس کی طرف سیر کرائی گئی تھی، تو حضرت آدم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور ان سے نیچے کے انبیاء (علیہم السلام) کو آپ کے لیے بھیجا گیا، اور ان کی رسول اللہ ﷺ نے امامت فرمائی۔''

❷: بنی اسرائیل اور سرزمینِ فلسطین

سورۂ مائدہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ'' (المائدۃ:۲۱)

ترجمہ:''اے میری قوم! اس متبرک ملک میں داخل ہو کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصہ میں لکھ دیا ہے۔'' (ترجمہ بیان القرآن از حضرت تھانویؒ)

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو قوم عمالقہ سے جہاد کر کے ان سے انبیاء علیہم السلام کی مقدس سرزمین لینے کے لیے ہدایت دی، تاہم انہوں نے قومِ عمالقہ سے خوف زدہ ہو کر جہاد سے پہلو تہی اختیار کر لی، لہٰذا اس آیت سے بھی انبیاء علیہم السلام کی مقدس سرزمین شام وفلسطین کا تقدس واضح ہوتا ہے۔

''مدارك التنزيل مع الاكليل''میں ہے:

''يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ'' أي المطهرة أو المباركة وهي أرض بيت

المقدس أو الشام.'' (تفسير المدارك مع الاكليل: ٢٨/٣)

❸: حضرت ابراہیم ولوط علیہما الصلوٰۃ والسلام اور سرزمینِ فلسطین

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ان کی قوم میں سے صرف حضرت لوط علیہ السلام ایمان لائے تھے، جو کہ حضرت کے بھتیجے تھے، نیز تفسیری روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب آتش نمرود نے حضرت کو متاثر نہ کیا تو نمرود نے مرعوب ومبہوت ہوکر حضرت سے کچھ تعرض نہ کیا، پھر بحکمِ خداوندی حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے ہمراہ عراق سے شام کے علاقے کی طرف تشریف لے گئے بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین اور حضرت لوط علیہ السلام موتفکہ (فلسطین سے ایک دن کی دوری پر واقع تھا) کی طرف تشریف لے گئے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ'' (الانبیاء:٧١)

ترجمہ: ''اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اور (ان کے برادر زادے) لوط (علیہ السلام) کو ایسے ملک (یعنی شام) کی طرف بھیج کر بچالیا جس میں ہم نے دنیا جہاں والوں کے واسطے (خیرو) برکت رکھی۔'' (ترجمہ بیان القرآن از حضرت تھانویؒ)

تفسیر ابی سعود میں ہے:

''(وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ) أي من العراق إلى الشام وبركاته العامة أن أكثر الأنبياء بعثوا فيه فانتشرت في العالمين شرائعهم التي هي مبادى الكمالات والخيرات الدينية والدنيوية وقيل: كثرة النعم والخصب الغالب. روي أنه عليه السلام نزل بفلسطين ولوط عليه السلام بالمؤتفكة وبينهما مسيرة يوم وليلة.'' (تفسير أبي سعود: ٧٧/٦)

❹: حضرت سلیمان علیہ السلام اور سرزمینِ فلسطین

جس طرح حضرات انبیاء علیہم السلام کو حسبِ ضرورت معجزات دیے گئے، اسی طرح حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے منطقِ طیر، تسخیرِ جن وحیوانات اور تسخیرِ ریاح کا عظیم الشان محیر العقول معجزہ عطا فرمایا تھا، جب حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے مسکن فلسطین سے کہیں دور نکلتے تو ہوا آپ کو آپ کے حکم سے آپ کے مسکن فلسطین میں دوبارہ پہنچادیتی تھی۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِأَمْرِهٖٓ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا وَ كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ'' (الانبیاء:٨١)

ترجمہ: ''اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کا زور کی ہوا کو تابع بنا دیا تھا کہ وہ ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی جس میں ہم نے برکت رکھی ہے (مراد ملک شام ہے) اور ہم ہر چیز کو جانتے ہیں۔'' (ترجمہ بیان القرآن از حضرت تھانویؒ)

''تفسير السعدي'' میں ہے:

''إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا'' وهي أرض الشام، حيث كان مقرهٔ فيذهب على الريح شرقا وغربا، ويكون مأواها ورجوعها إلى الأرض المباركة.''

(تفسير السعدي:٦١٦)

''صفوة التفاسير'' میں ہے:

''تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا'' أي تسير بمشيئته وإرادته إلى أرض الشام المباركة بكثرة الأشجار والأنهار والثمار، وكانت مسكنه ومقر ملكه.'' (صفوة التفاسير للصابوني:٢/ ٢٧٠)

⑤: حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام سرزمینِ فلسطین میں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ'' (سورۃ المؤمنون:٥٠)

ترجمہ: ''اور ہم نے مریم کے بیٹے کو اور ان کی ماں کو بڑی نشانی بنایا اور ہم نے ان دونوں کو ایک ایسی بلند زمین پر لے جا کر پناہ دی جو (بوجہ غلات اور میوہ جات ہونے کے) ٹھہرنے کے قابل اور شاداب جگہ تھی۔'' (ترجمہ بیان القرآن از حضرت تھانویؒ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی کے طور پر جب بغیر پدر کے پیدا ہوئے تو اس بات کا چرچا ہونے کے بعد بیت اللحم کا بادشاہ آپ اور آپ کی والدہ کا دشمن ہوگیا، لہٰذا آپ کی والدہ آپ کو لے کر ایک اونچے ٹیلہ میں روپوش ہوگئیں، جسے قرآن نے ایک ایسا مقام قرار دیا ہے جو پرسکون بھی تھا اور وہاں چشمہ بھی جاری تھا، جس کے بارے میں اکثر مفسرین نے بیت المقدس، دمشق یا فلسطین کا مقام مراد لیا ہے۔ نیز تفسیری روایات میں آتا ہے کہ تقریباً بارہ سال آپ اور آپ کی والدہ وہاں مقیم رہے، جب بیت اللحم کا بادشاہ انتقال کر گیا تو آپ حضرات باہر تشریف لائے۔ تفسیر البیضاوی میں ہے:

''(وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ) أرض بيت المقدس، فإنها مرتفعة أو دمشق أو رملة فلسطين أو مصر.'' (تفسير البيضاوي: ٨٩/ ٤)

6: سورہ التین اور سرزمینِ فلسطین

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ۔'' (سورۃ التین ۱-۳)

ترجمہ: ''قسم ہے انجیر (کے درخت) کی اور زیتون (کے درخت) کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر (یعنی مکہ معظّمہ) کی۔'' (ترجمہ بیان القرآن از حضرت تھانویؒ)

اللہ تعالیٰ نے تاکیداً ''تین وزیتون'' کی قسم کھا کر انسان کی تخلیق باحسنِ تقویم کو بیان فرمایا ہے، بیشتر مفسرین کے نزدیک تین وزیتون سے فلسطین و بیت المقدس کی طرف اشارہ ہے اور مراد اس سے وہ جگہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا اور انہیں وہاں انجیل دی گئی۔ ''طور سینا'' سے مراد وہ مقام ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب جل مجدہٗ سے شرفِ کلامی حاصل ہوا اور آپ کو تورات دی گئی، ''بلد أمین'' سے مراد مکہ مکرمہ ہے، جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا اور آپ پر قرآن کریم نازل ہوا اور یہ بات تورات میں بھی موجود ہے۔ ''صفوة التفاسير'' میں ہے:

''ذهب بعض الأئمة إلى أن هٰذه محال ثلاث، بعث الله في كل منها نبياً مرسلاً من أولي العزم أصحاب الشرائع الكبار، فالأول : محلة التين والزيتون وهي بيت المقدس التي بعث الله فيها عيسى عليه السلام. والثاني : طور سينين وهو طور سيناء الذي كلم الله عليه موسى بن عمران. والثالث : البلد الأمين الذي من دخلهٗ كان آمناً، وهو الذي أرسل الله فيه محمداً، وقد ذكر في آخر التوراة هٰذه الأماكن الثلاثة، جاء الله من طور سيناء – الجبل الذي كلم الله عليه موسى ـ وأشرق من ساعير – يعني جبل بيت المقدس الذي بعث الله منه عيسى – واستعلن من جبال فاران – يعني جبال مكة التي أرسل الله منها محمداً.'' (صفوة التفاسير: ۵۷۸/ ۳)

ذکرِ فلسطین درکلامِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

①: بیت المقدس اور قبلۂ مسلمین

شروع اسلام میں ہجرت سے کچھ دنوں قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکمِ الٰہی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا شروع کی اور وہ سلسلہ بعد ہجرت تقریباً سولہ یا سترہ ماہ تک جاری رہا، پھر آیتِ تحویل نازل ہوئی اور مکہ مکرمہ کو ہمیشہ کے لیے قبلۂ مسلمین بنا دیا گیا۔ (۳)

بخاری شریف میں ہے:

’’عن البراء بن عازبؓ عنه قال : صلينا مع رسول الله ﷺ نَحوَ بيت المقدس سِتَّةَ عَشَرَ أو سَبْعَةَ عَشَرَ شهرًا، ثم صُرِفْنَا نحو الكعبة.‘‘

(بخاری شریف، ت: تقی الدین ندوی: ۱۷/ ۴، رقم الحدیث: ۴۴۹۲)

ترجمہ: ’’حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ سولہ یا سترہ مہینوں تک بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز ادا کی، پھر ہمیں بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا۔‘‘

②: روئے زمین پر دوسری مسجد بیت المقدس تعمیر ہوئی

بیت اللہ شریف کی تعمیر کے چالیس سالوں بعد بیت المقدس کی تعمیر وجود میں آئی اور بیت المقدس باعتبارِ تعمیر کے روئے زمین کی دوسری مسجد قرار پائی۔ بخاری شریف میں ہے:

’’سَمِعْتُ اَبَا ذَرٍّ قَالَ : قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللهِ! اَيُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِي الأَرْضِ اَوَّلُ؟ قَالَ: الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ . قُلْتُ : ثُمَّ اَيُّ؟ قَالَ: الْمَسْجِدُ الْاَقْصٰى . قُلْتُ : كَمْ كَانَ بَيْنَهُمَا؟ قَالَ: اَرْبَعُوْنَ سَنَةً، ثُمَّ اَيْنَمَا اَدْرَكَتْكَ الصَّلَاةُ بَعْدُ فَصَلِّهْ، فَإِنَّ الْفَضْلَ فِيهِ.‘‘ (بخاری شریف، ت: تقی الدین ندوی: ۳/ ۱۴۵، رقم الحدیث: ۳۳۶۶)

فائدہ: اگر چالیس سال سے تحدید یعنی حقیقی چالیس سال مراد لیا جائے تو اس تعمیر کی نسبت حضرت آدم علیہ السلام کی طرف کی جائے گی کہ آپ نے دونوں کی بنیاد رکھی اور دونوں کے درمیان چالیس سالوں کا وقفہ ہوا، یا یہ کہ ملائکہ نے ان دونوں کو چالیس سال کے وقفے کے ساتھ تعمیر کیا۔

اور اگر حدیث کی مراد حضرت ابراہیم وسلیمان علیہما السلام ہیں تو چونکہ دونوں کے درمیان سیکڑوں سالوں کا فاصلہ رہا ہے، لہٰذا حدیث میں چالیس سال سے مراد تکثیر ہوگی، تحدید نہیں۔ (مستفاد من نجاح القاری شرح البخاری: ۱۷۶/ ۱۸۔ انعام الباری: ۱۸۶/ ۸، ہامش البخاری، ت: تقی الدین ندوی: ۱۴۵/ ۳)

③: بیت المقدس میں نماز کی گراں قدر فضیلت

بیت المقدس میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ ابن ماجہ میں ہے:

’’عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي بَيْتِهٖ بِصَلَاةٍ وَصَلَاتُهٗ فِيْ مَسْجِدِ الْقَبَائِلِ بِخَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ صَلَاةً وَصَلَاتُهٗ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُجَمَّعُ فِيْهِ بِخَمْسِ مِائَةِ صَلَاةٍ وَصَلَاتُهٗ فِي الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى بِخَمْسِيْنَ

اَلْفَ صَلَاةٍ وَصَلَاتُهُ فِيْ مَسْجِدِيْ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ صَلَاةٍ وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ اَلْفِ صَلَاةٍ.'' (ابن ماجہ قدیم،ص:۱۰۲)

④: حصولِ ثواب کے لیے بیت المقدس کا سفر

حصولِ ثواب کی نیت سے صرف تین مساجد کی طرف سفر کی اجازت ہے اور باقی ساری مسجدیں چونکہ نفسِ ثواب میں یکساں ہیں، لہٰذا ان کی طرف حصولِ ثواب کے لیے سفر کرنا بے سود ہے، لہٰذا احادیث میں صرف تین مساجد کی طرف سفر کی اجازت دی گئی ہے، اس میں سے ایک مسجد بیت المقدس بھی ہے۔ بخاری شریف میں ہے:

''عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الرَّسُولِ، وَمَسْجِدِ الْأَقْصٰى.''

(بخاری شریف، ت: تقی الدین ندوی: ۱/۵۷۱، رقم الحدیث: ۱۱۸۹)

(جاری ہے)

جنت میں میاں بیوی کے تعلق کی کیا نوعیت ہوگی؟

نیز کیا جنت اور اُس کی نعمتیں صرف مَردوں کے لیے ہیں؟

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس بارے میں کہ:

❶- دنیا میں میاں بیوی ایک ہی گھر میں اکٹھے رہتے ہیں تو کیا جنت میں بھی اکٹھے ہی ایک ہی جگہ/ گھر میں رہیں گے؟

❷- دنیا میں بیوی اپنے شوہر کے تابعدار رہتے ہوئے زندگی گزارتی ہے، یعنی جو میاں صاحب کہتے ہیں ویسا کرتی ہے تو کیا بیوی جنت میں بھی شوہر کے تابعدار ہوگی؟ یا تابعداری سے آزاد ہوگی اور اپنی زندگی جیسے چاہے گی گزارے گی؟

❸- اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک اور نبی ﷺ نے اپنی احادیثِ مبارکہ میں جتنے بھی جنتیوں کے انعامات بتائے ہیں، کیا وہ انعامات مرد اور عورت کے لیے برابر ہوں گے یا مردوں کے لیے زیادہ انعامات ہوں گے اور عورتوں کے لیے کم؟

❹- بحیثیت عورت میں جب یہ پڑھتی ہوں کہ شوہر کو جنت میں ستر ستر حوریں ملیں گی تو میرے خیال میں یہ بات آتی ہے اور تنگ کرتی ہے کہ پھر جنت میں بیوی کی اپنے شوہر کے سامنے ان حوروں کے ہوتے ہوئے کیا اہمیت ہوگی؟ یعنی بیوی اور حوریں کیا برابر ہوں گی؟

❺- جنت میں عورتوں کو کیا انعامات ملیں گے؟

برائے مہربانی تھوڑی تفصیل لکھ دیں، تا کہ عورت کو بھی سکون حاصل ہو کہ اللہ تعالیٰ نے صرف مردوں

کے لیے ہی نہیں، بلکہ عورت کے لیے بھی برابر کی جنت بنائی ہے۔

اصل میں جب بھی علماء کے بیانات سنیں یا علماء کی کتابیں پڑھیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت صرف مردوں کے لیے بنائی گئی ہے اور اس میں سارے انعامات بھی صرف مردوں کے لیے ہی ہیں۔ عورت صرف مرد کے سکون کے لیے بنائی گئی ہے، بذاتِ خود عورت کی کوئی حیثیت نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ عورت کوئی اور مخلوق ہے، جبکہ اصل مخلوق تو مرد حضرات ہیں۔ مفتی صاحب! میں جنت کے حوالے سے کتاب ''جنت کے دلکش مناظر (ادارہ تالیفاتِ اشرافیہ)'' پڑھ چکی ہوں۔

درخواست: مفتی صاحب! میں آپ کی بہن آپ کے تفصیلی جواب کی منتظر ہوں، برائے مہربانی جنت کے بارے میں مزید جاننے کے لیے اچھے علماء کی کتابوں کا نام بتائیے، تاکہ عورتوں کو بھی خوشی محسوس ہو۔

اہلیہ علی رحمٰن (لاہور)

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

واضح رہے کہ مؤمن کے لیے سب سے اہم چیز اپنی زندگی شریعت کے مطابق گزارنا ہے، اس دنیا کے بعد یہی چیز کام آنی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جنت کا حصول مرد یا عوت کسی خاص جنس کے ساتھ نہیں رکھا ہے، بلکہ جو کوئی مومن ہوگا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائیں گے، پھر جب انسان اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے جنت میں داخل ہوجائے تو وہاں اس کا دل ہر قسم کے میل اور بُرے خیالات سے پاک ہوگا، وہاں کسی قسم کے بے ہودہ خیالات نہیں آئیں گے، لہٰذا سائلہ کو چاہیے کہ وہ شریعت پر عمل پیرا ہوکر اللہ تعالیٰ کو راضی کرے، دیگر باتوں میں پڑکر اپنے جذبے کو ماند نہ ہونے دے۔

❶- جنت میں اللہ تعالیٰ میاں بیوی کو ایک ساتھ رکھیں گے، بلکہ اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک جنت میں داخل ہوجائے اور دوسرا اپنے اعمال کی وجہ سے پیچھے رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل سے جنت میں پہنچائیں گے، اگر دنیا میں دونوں کے درمیان کوئی رنجش ہو بھی تو اللہ تعالیٰ جنت میں ان رنجشوں کو ختم کردیں گے اور اللہ تعالیٰ اس کی بیوی کو تمام حوروں کی سردار بنائیں گے۔

❷- جنت میں اللہ تعالیٰ ہر وہ چیز مہیا کریں گے، جسے انسان کا دل چاہے گا، وہاں کسی قسم کی کوئی روک ٹوک نہیں ہوگی، جنت کی زندگی کو دنیا کی زندگی سے موازنہ اور قیاس کرنا درست نہیں، عورت بھی اپنی من چاہی زندگی چاہے گی، لیکن وہاں دنیا کی زندگی کی طرح کسی قسم کی کوئی بے ہودگی نہیں ہوگی۔

❸-قرآن کریم اور سنتِ مطہرہ میں جنتیوں کے لیے جو جو نعمتیں بتلائی گئی ہیں، ان نعمتوں میں مرد و

عورت دونوں برابر ہیں۔

❹-عورت جنت میں اپنے شوہر کو ملنے والی حوروں سے افضل اور ان کی سردار ہوگی۔

❺-نیک عورت اگر شادی شدہ ہے تو جنت میں اپنے جنتی شوہر کے ساتھ رہے گی اور شوہر کو ملنے والی حوروں کی سردار ہوگی، اور اللہ تعالیٰ اس عورت کو ان سب سے حسین وجمیل بنائیں گے اور وہ میاں بیوی آپس میں ٹوٹ کر محبت کرنے والے ہوں گے۔

اور اگر دنیا میں عورت کے متعدد شوہر ہوں، یعنی عورت نے اپنے شوہر کے انتقال یا اس کے طلاق دینے کے بعد دوسری شادی کر لی ہو، یعنی اس عورت نے دو یا اس سے زیادہ شادیاں کی ہوں تو وہ جنت میں اپنے کس شوہر کے ساتھ رہے گی؟ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں:

①-اس عورت کو اختیار دیا جائے گا کہ جس کے ساتھ اس کی زیادہ موافقت ہو اس کو اختیار کر لے۔

②-وہ عورت آخری شوہر کے ساتھ رہے گی۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کو اس کا آخری شوہر ملے گا۔

③-عورت اس شوہر کے ساتھ رہے گی جس نے دنیا میں اس کے ساتھ اچھے اخلاق کا برتاؤ کیا ہو اور وہ شوہر جس نے عورت پر ظلم کیا ہوگا، اس کو تنگ کیا ہوگا، وہ اس عورت سے محروم رہے گا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کسی کے دو شوہر ہوں تو وہ جنت میں کس کے ساتھ رہے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے اختیار دیا جائے گا، پس وہ اس شوہر کو اختیار کرے گی جس نے دنیا میں اس کے ساتھ اچھے اخلاق کا برتاؤ کیا ہو، اور وہی اس کا جنت میں شوہر ہوگا، اے ام سلمہ! اچھے اخلاق والے دنیا اور آخرت کی بھلائی لے گئے۔

④-بعض حضرات نے یوں تطبیق دی ہے کہ اگر سب شوہر حسنِ خلق میں برابر ہوں تو آخری شوہر کو ملے گی، ورنہ اسے اختیار دیا جائے گا۔

اور اگر عورت کنواری ہو، یعنی اس کا شادی سے پہلے ہی انتقال ہو گیا ہو، یا شادی شدہ تو ہو، لیکن اس کا شوہر جنتی نہ ہو تو جنت میں جس مرد کو بھی وہ پسند کرے گی، اس کے ساتھ اس کا نکاح ہو جائے گا، اور اگر موجودہ لوگوں میں کسی کو بھی پسند نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک مرد جنت میں پیدا فرمائیں گے جو اس کے ساتھ نکاح کرے گا۔

باقی یہ خواہش کہ ایک عورت بیک وقت کئی مردوں کی بیوی ہو خلافِ فطرت بھی ہی اور جنت میں یہ خواہش پیدا بھی نہیں ہوگی۔ ''المعجم الأوسط للطبراني'' میں ہے:

”قال: خطب معاو ية بن أبي سفيان أم الدرداء بعد وفاة أبي الدرداء، فقالت أم الدرداء: إني سمعت أبا الدرداء يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أيما امرأة توفي عنها زوجها، فتزوجت بعدهٔ فهي لآخر أزواجها. وما كنت لأختارك على أبي الدرداء.“

(المعجم الأوسط للطبراني:٢٧٥/ ٣، من اسمه بكر، برقم: ٣١٣٠، ط:دارالحرمين، القاهرة)

” المعجم الكبير للطبراني ''میں ہے:

''عن أم سلمة، قالت: قلت: يا رسول الله! أخبرني عن قول الله ”حُوْرٌ عِيْنٌ“، قال: ”حور: بيض، عين: ضخام العيون شقر الجرداء بمنزلة جناح النسور“، قلت: يا رسول الله! أخبرني عن قوله: ” كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ “ ، قال: ”صفاؤهم صفاء الدر في الأصداف التي لم تمسه الأيدي“. قلت: يا رسول الله! أخبرني عن قوله: ”فِيْهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ“، قال: ”خيرات الأخلاق، حسان الوجوه“. قلت: يا رسول الله! أخبرني عن قوله: ” كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ “، قال: ” رقتهن كرقة الجلد الذي رأيت في داخل البيضة مما يلي القشر وهو العرقي“ . قلت: يا رسول الله! أخبرني عن قوله: ” عُرُباً أَتْرَاباً“، قال: ”هن اللواتي قبضن في دار الدنيا عجائز رمضاء شمطاء خلقهن الله بعد الكبر، فجعلهن عذارى عرباً متعشقات محببات، أتراباً على ميلاد واحد“ . قلت: يا رسول الله! أنساء الدنيا أفضل أم الحور العين؟ قال: ”بل نساء الدنيا أفضل من الحور العين، كفضل الظهارة على البطانة“ . قلت: يا رسول الله! وبما ذاك؟، قال: ” بصلاتهن وصيامهن وعبادتهن الله، ألبس الله وجوههن النور، وأجسادهن الحرير، بيض الألوان خضر الثياب صفراء الحلي، مجامرهن الدر، وأمشاطهن الذهب، يقلن: ألا نحن الخالدات فلا نموت أبداً، ألا ونحن الناعمات فلا نبؤس أبداً، ألا ونحن المقيمات فلا نظعن أبداً، ألاونحن الراضيات فلا نسخط أبداً، طوبى لمن كنا له وكان لنا“، قلت: يا رسول الله! المرأة منا تتزوج الزوجين والثلاثة والأربعة ثم تموت فتدخل الجنة و يدخلون معها، من يكون زوجها؟ قال: ” يا أم سلمة! إنها تخير فتختار أحسنهم خلقاً، فتقول: أي رب إن هذا كان أحسنهم معي خلقاً في دار الدنيا فزوجنيه، يا أم سلمة! ذهب حسن الخلق بخير الدنيا

والآخرة.'' (٣٦٧/ ٢٣، أزواج رسول الله ﷺ، أم سلمة، ط:مكتبة ابن تيمية، القاهرة)

''وقوله: ''وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَأَزْوٰجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ'' أي: يجمع بينهم و بين أحبابهم فيها من الآباء والأهلين والأبناء، ممن هو صالح لدخول الجنة من المؤمنين؛ لتقر أعينهم بهم، حتى إنه ترفع درجة الأدنى إلى درجة الأعلى، من غير تنقيص لذلك الأعلى عن درجته، بل امتنانا من الله وإحسانا، كما قال تعالى: ''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيْمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ أَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ''

(تفسير ابن كثير: ٤٥١/ ٤، ط: دار طيبة)

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 15050-1442ھ دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

نقد و نظر

ادارہ

ذِکرُ المرسلین ترجمہ ’’قصص النبیّینؑ‘‘ (تین جلدیں)

مترجم: مولانا یوسف ماما کفلتیویؒ۔ نظر ثانی: مولانا شبیر احمد صوفی صاحب۔ صفحات جلد اول: ۲۹۶۔ صفحات جلد دوم: ۴۱۶۔ صفحات جلد سوم: ۴۷۵۔ عام قیمت: ۳۶۰۰۔ ناشر: زمزم پبلشرز، شاہزیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی۔ رابطہ نمبر: 0309-8204773

معروف و مشہور درسی کتاب ’’قصص النبیّینؑ‘‘ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی عربی ادب کی شاہکار کتاب ہے، جو سالہا سال سے پاک و ہند کے مدارس میں درسِ نظامی کے نصاب میں شامل ہے۔

’’قصص النبیّینؑ‘‘ جس طرح اپنے موضوع یعنی عربی ادب کی افادیت کے اعتبار سے انتہائی مفید ثابت ہوئی ہے، وہیں یہ کتاب ایک مصلح کا کردار بھی ادا کرتی ہے، انبیاء علیہم السلام کے تذکروں اور قصوں میں طلبہ کی ایمانی و عملی اصلاح اور ذہن سازی بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہتی ہے اور ہم نے اس حوالہ سے اس کتاب کو بہت ہی مفید اور کارآمد محسوس کیا ہے۔ کسی نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے کیا خوب کہا کہ: ’’اس کتاب کے ذریعہ بچوں کا علمِ کلام تیار ہوگیا۔‘‘ نیز کتاب میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات کو ایسے دلچسپ اور اثر انگیز انداز و پیرایہ میں لکھا گیا ہے کہ پڑھتے ہوئے دل پر عجیب کیفیت طاری ہوتی اور بے ساختہ آنسو رواں ہوتے ہیں۔

بہر حال اس کتاب کا بنیادی مقصد مبتدی طلبہ کو عربی زبان (گرائمر) اور اس کا ترجمہ سکھانا ہے، چنانچہ یہ کتاب مبتدی طلبہ کی استعداد اور نفسیات کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے، مگر مبتدی طلبہ کے لیے صرف و نحو سے زیادہ مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے کماحقہ ترجمہ کرنا، تمام الفاظ کے ترجمہ کو الگ الگ سمجھنا اور یاد رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ اس کتاب کے کئی اردو تراجم ملتے ہیں۔ زیرِ نظر ترجمہ برطانیہ کے شہر باٹلی کے ایک عالم دین مولانا یوسف پٹیل کفلتیوی قاسمی صاحبؒ کا ہے، اس ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ عام فہم اور آسان ہونے اور حلِ لغات کے ساتھ ساتھ اس میں صرفی نحوی تحقیق بھی شامل کی گئی ہے، اس تحقیق کا

یہ فائدہ ہے کہ طلبہ بصیرت کے ساتھ مختلف الفاظ کا ترجمہ الگ الگ بھی سمجھ سکتے اور کر سکتے ہیں۔ آیات کا ترجمہ اکثر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے ترجمہ سے لیا گیا ہے۔

ترجمہ کے شروع میں تفصیلی مقدمہ ہے، جس میں کئی نامور علماء کی تقاریظ ہیں، مترجم کا تفصیلی پیش لفظ ہے اور چالیس صفحات پر صاحب کتاب حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کا تعارف اور سوانح ہے۔ اس کے بعد ہندوستان کے معروف عالم دین مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب مدظلہ کی طرف سے ''قصص النبیین کے جواہر پارے'' کے عنوان سے ایک مضمون ہے، جو پوری کتاب کا بہترین تجزیہ ہے، اس مضمون میں پوری کتاب کا خلاصہ اور ہر سبق پر تبصرہ ہے۔ مولانا موصوف خود کئی سال یہ کتاب پڑھا چکے ہیں، لہٰذا ان کا یہ تجزیہ اور تبصرہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے بعد مولانا مرغوب احمد لاجپوری صاحب کی طرف سے کتاب کا مقدمہ ہے، جس میں ''قصص النبیین'' کی وجہ تالیف، اہمیت اور چند خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ اس کے بعد تقریباً بیس صفحات پر مترجمِ کتاب مولانا یوسف ماما صاحبؒ کی سوانح اور تذکرہ ہے۔

جلد اول کی ابتدا میں صفحہ نمبر: ا پر اجمالی فہرست ہے، کئی عنوانات میں اس فہرست کے صفحات اور اندرونی صفحات میں مطابقت نہیں ہے، اُمید ہے آئندہ ایڈیشن میں صفحات نمبر درست کر دیے جائیں گے۔ کتاب کا ٹائٹل دیدہ زیب، تصحیح اور سیٹنگ بہترین اور جلد بندی مضبوط ہے اور کاغذ متوسط و مناسب ہے۔

مرغوبُ المسائل (مکمل سیٹ، چھ جلدیں)

مولانا مرغوب احمد لاجپوری صاحب۔ صفحات جلد اول: ۴۲۶۔ صفحات جلد دوم: ۳۷۸۔ صفحات جلد سوم: ۳۸۹۔ صفحات جلد چہارم: ۴۱۲۔ صفحات جلد پنجم: ۳۹۰۔ صفحات جلد ششم: ۴۵۶۔ عام قیمت: ۶۰۰۰۔ ناشر: زمزم پبلشرز، شاہزیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی۔ رابطہ نمبر: 0309-8204773

زیرِ تبصرہ ضخیم کتاب فقہی مضامین، رسائل اور مقالات کا مجموعہ ہے، جو برطانیہ کے معروف عالمِ دین مولانا مرغوب احمد لاجپوری صاحب (معلم و خطیب مسجد بلال، تھورن ہل لیز، ڈیوزبری، برطانیہ) کے قلم سے نکلے ہیں۔ پہلی جلد متفرق موضوعات سے متعلق ۱۴ / رسائل اور ایک مقالہ کا مجموعہ ہے۔ دوسری جلد حرمین شریفین سے متعلق ۱۳ / رسائل کا مجموعہ ہے۔ تیسری جلد نکاح کے موضوع پر ۱۱ / رسائل اور ۲ / مقالات کا مجموعہ ہے۔ چوتھی جلد میں اِسراف و غلو کے موضوع پر ۱۱ / رسائل اور ایک مقالہ ہے۔ پانچویں جلد میں متفرق موضوعات پر ۱۴ / رسائل اور ایک مقالہ ہے۔ چھٹی جلد میں اصلاحِ معاشرہ کے موضوع پر ۱۰ / رسائل ہیں۔

بطور نمونہ پہلی اور چھٹی جلد کے رسائل کے عنوانات ذکر کیے جاتے ہیں، پہلی جلد میں متفرق موضوعات پر درج ذیل ۱۴ رسائل اور ایک مقالہ ہے: ۱: بیت الخلاء میں ذکر، ۲: مسجد کی صفائی، ۳: مسجد میں بچوں کو لانا، ۴: فرض نماز کے بعد اعلان، ۵: اشکالات اور ان کے جوابات، ۶: شفق غائب نہ ہونے والی رات میں، ۷: مسبوق کے مسائل، ۸: تہجد کی جماعت، ۹: پیر اور جمعہ کے دن کی موت، ۱۰: رؤیتِ ہلال، ۱۱: تراویح کی اُجرت، ۱۲: تراویح کے حفاظ کا انتخاب، ۱۳: دوسری منزل میں اعتکاف، ۱۴: گھر میں اعتکاف کرنا، ۱۵: کرونا وائرس: چند سوالات۔

چھٹی جلد میں اصلاحِ معاشرہ سے متعلق درج ذیل ۱۰ رسائل ہیں: ۱: آپ ﷺ کی بددُعائیں، ۲: لعنت والے اعمال، ۳: صدق وکذب، ۴: امانت وخیانت، ۵: مالِ وقف میں خیانت، ۶: علماء کی توہین، ۷: حق کہنا ہر وقت ضروری ہے؟، ۸: کسی کو تکلیف نہ پہنچایئے، ۹: امیر بننے کا شوق، ۱۰: مسلمانوں پر حالات کیوں؟

ان عنوانات سے قارئین کو کتاب کے موضوعات اور مندرجات کا کچھ اندازہ ہو گیا ہوگا۔ بہرحال ہمارے خیال میں کتاب دینی اور علمی اعتبار سے مفید ہے۔ فقہی مسائل باحوالہ ہیں، آیات واحادیث اور فقہی عبارات درج ہیں۔ علاماتِ ترقیم اور عربی عبارات کی سیٹنگ کا مزید اہتمام کر لیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ کتاب کا ٹائٹل دیدہ زیب اور جلد بندی مضبوط ہے اور کاغذ متوسط ومناسب ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ علم کو اس کتاب سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

سلامتی کا راستہ (صحابہ کرامؓ کے بارے میں تاریخی روایات اور ان سے منسوب بعض واقعات سے متعلق)

ازقلم: مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی صاحب۔ صفحات: ۴۸۰۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: ادارہ اشاعت الاسلام، مانچسٹر، برطانیہ۔ پاکستان میں ملنے کا پتہ: جامعہ ابوہریرہؓ، برانچ آفس خالق آباد، نوشہرہ، کے پی کے۔ رابطہ نمبر: 092-3630237

صحابہ کرامؓ کی محبت وعقیدت اور ادب واحترام ایمان کا تقاضا ہے۔ اُن سے محبت حضور اکرم ﷺ کی نسبت کی لاج ہے، اور صحابہ کرامؓ سے بدگمانی یا بغض درحقیقت حضور اکرم ﷺ کی نسبت کی توہین، حضور اکرم ﷺ کے لائے ہوئے دین سے بدگمانی اور حضور اکرم ﷺ کی دعوت ومحنت پر شک کا اظہار ہے۔ مسلمانوں کا صحابہ کرامؓ سے رشتہ ایمان کا ہے، جس قدر اُن پر اعتماد واعتبار ہوگا، ایمانی رشتہ مضبوط تر ہوگا، اگر خدانخواستہ صحابہ کرامؓ سے بدگمانی اور بداعتمادی ہوگئی تو ایمان بھی متزلزل اور کمزور ہوتے ہوتے زائل ہوجائے گا۔ صحابہ کرامؓ ایمان کا دروازہ ہیں، یہ دروازہ توڑنے والے پورے گھر کو غیر محفوظ

کر دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ عموماً اعداء اسلام کا پہلا نشانہ صحابہ کرامؓ ہوتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ دروازہ کمزور کیے اور توڑے بغیر گھر کو کمزور نہیں کیا جا سکتا۔ صحابہ کرامؓ دین کے ناقل ہیں، انہی کے واسطے سے دین قیامت تک کے تمام مسلمانوں تک پہنچا ہے۔ قرآن جیسی کتاب، احادیث وسنت جیسی تعلیمات انہی کے واسطے سے پہنچی ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ (متوفی: ۱۰۳۴ھ) لکھتے ہیں:

ترجمہ: ''قرآن واحادیث اصحاب کرامؓ کی تبلیغ سے ہم تک پہنچا ہے، جب اصحابؓ مطعون ہوں گے تو وہ دین جو اُن کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے، وہ بھی مطعون ہوگا، نعوذ باللہ من ذٰلك.'' (مکتوبات، دفتر اول، مکتوب نمبر: ۳۶، ص: ۱۱۱)

شومیِ قسمت کہ اہلِ سنت کے معروف خانوادۂ سادات کے فرد اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سابق استاذ مولانا سلمان حسنی ندوی راہِ اہلِ سنت سے انحراف کرتے ہوئے کچھ سالوں سے مستقل تنقیصِ صحابہؓ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ مولانا سلمان ندوی کو صحابی کی تعریف پر بھی اعتراض ہے، کئی صحابہ کرامؓ کا نام لے کر اُن کی کردار کشی کرتے ہیں، انہیں قاتل، ظالم اور غاصب کہتے ہیں، بالخصوص حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کو زیادہ طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں۔

پہلے پہل دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اکابر نے انہیں محبت اور دلائل سے سمجھایا، مگر موصوف کے ہاں صحابہؓ کی قدر و منزلت نہیں تھی، تو اکابر کی کہاں مان سکتے تھے، چنانچہ ندوۃ العلماء کے اکابر نے حضرت (مولانا محمد رابع حسنی ندویؒ کی سربراہی میں) موصوف کو دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فارغ اور بے دخل کر دیا۔

بہر حال دارالعلوم دیوبند سمیت ہندوستان کے کئی علماء نے مولانا سلمان حسنی ندوی کی تلبیسات کا تعاقب کیا ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے استاذِ حدیث حضرت مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی صاحب نے مولانا سلمان ندوی کے رد میں ۸۰ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ لکھا، جس میں انہوں نے دلائل کی روشنی میں لفظِ صحابیؓ کی تعریف و تشریح اور صحابہ کرامؓ کے مقام و مرتبہ کو بیان کیا، اس کتابچہ کا جواب مولانا سلمان ندوی نے ''ازالہ کا ازالہ'' کے عنوان سے دیا۔ اس رسالہ میں صحابہ کرامؓ سے متعلق روافض کے پرانے اعتراضات اور اشکالات سے استفادہ کرتے ہوئے ۳۴ سوالات واعتراضات لکھے۔ مولانا سلمان ندوی کی تحریر کا اندازہ لگانے کے لیے حضرت مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی صاحب کی چند سطور ملاحظہ فرمائیں، وہ مولانا سلمان ندوی کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

''آپ کا یہ پیراگراف پڑھ کر میں صدمہ میں ڈوب گیا، اگر رسالہ کے اوپر آپ کا نامِ نامی نہ ہوتا تو میں یہ سمجھتا کہ کسی رافضی کی تحریر ہے جو صحابہؓ کے مقام و مرتبہ کو گھٹانے پر تُلا ہوا ہے، اگر آپ کے دل میں صحابۂ رسول کے بارے میں جذباتِ احترام ہوتے تو آپ یہ ہرگز

نہ لکھتے۔‘‘ (عظمتِ صحابہؓ، ص: ۳۵)

بہرحال زیرِتبصرہ کتاب مولانا سلمان ندوی کے اسی رسالے ’’ازالہ کا ازالہ‘‘ کا مدلل اور تفصیلی جواب ہے۔ مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی صاحب نے رسالہ میں مذکور اشکالات واعتراضات کا مدلل اور محقق جواب دیا ہے۔ کتاب کا انداز اور اُسلوب مُناظرانہ ہونے کے بجائے داعیانہ اور محققانہ ہے۔ مولانا سلمان ندوی کی تمام عبارات واعتراضات کو لکھ کر ان کا تفصیلی جواب دیا گیا ہے، اہلِ سنت کے موقف کی دلائل کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے۔ صحابہ کرامؓ کی گستاخی کے روگ میں مبتلا حضرات کے لیے اس میں کافی وشافی دلائل ہیں اگر وہ حق کو قبول کرنا چاہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اہلِ زیغ وضلال کی ہدایت کا ذریعہ بنائے، انہیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے، اگر ان کی قسمت میں ہدایت نہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کے شر اور اُن کے وجود سے اُمتِ مسلمہ کی حفاظت فرمائے، اور اس کتاب کو مؤلف وناشرین اور معاونین کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین

کتاب کا ٹائٹل دیدہ زیب، کمپوزنگ اور سیٹنگ بہتر، کاغذ متوسط اور جلد بندی مضبوط ہے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....